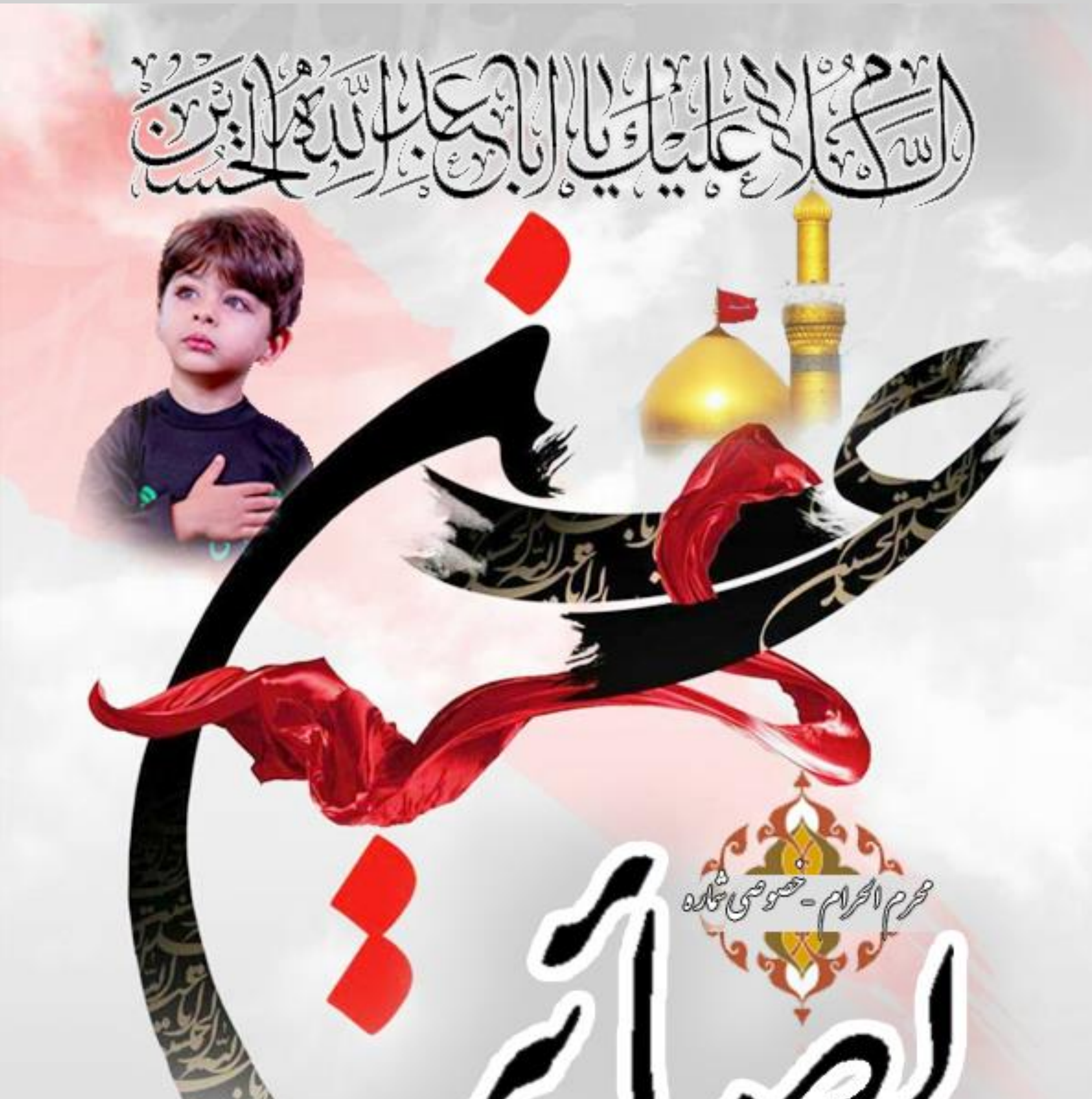

بصائر

محرم الحرام - خصوصی شمارہ

هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے (حقیقت) کی دلیلیں ہیں اور ایماندار لوگوں کے واسطے ہدایت و رحمت ہے۔ سورہ اعراف (۲۰۳)

بصائر

محرم الحرام - خصوصی شمارہ

سرپرست:

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب رضا شاکری (رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہند)

مدیراعلی

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس ادارات:

حجۃ الاسلام.....................................سید حسن اصل نژاد

حجۃ الاسلام.....................................سید فیاض حسین رضوی

حجۃ الاسلام.....................................سید منظور عالم جعفری

حجۃ الاسلام.....................................سید سرور عباس نقوی

حجۃ الاسلام.....................................علی عباس حمیدی

حجۃ الاسلام.....................................اطہر حسین شاہ

نمایندگی جامعہ المصطفی العالمیہ 18-, تلک مارگ, نئی دہلی

***

مجلہ بصائر میں شائع ہونے والے کسی بھی مواد و مطالب سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

فہرست مطالب

- حمد باری تعالی.......................ظہور مولائی.......................۴
- اداریہ:.......................ادارہ.......................۵
- محرم صفر کی مناسبتیں اور عبرتیں ....ڈاکٹر رضا شاکری.......................۷
- شہادت حسینی پر لکھے جانے والے مقاتل کا جائزہ ....آیت اللہ محمد ری شہری/فیروز علی بنارسی.......................۱۰
- امام حسینؑ سے محبت کے باوجود کوفیوں نے تلوار کیوں اٹھائی ....پیغمبر عباس بشر نوگانوی.......................۱۶
- شب عاشور کی مہلت کی حکمت اور مقاصد.......................سید محمد مجتبی علی رضوی.......................۲۲
- عالمی نہضتوں پر انقلاب حسینی کی تاثیر ....ظہور مہدی مولائی.......................۲۸
- امام حسینؑ پر کس قسم کا گریہ کرنا باعث ثواب ہے.......................سید مختار حسین جعفری.......................۳۲
- کربلا اور اہمیت نماز ....سید منظور عالم جعفری سرسوی.......................۳۶
- انصار حسینی کی خصوصیات.......................منہال رضا خیر آبادی.......................۴۲
- کربلا میں صنف نسواں کا کردار ....ڈاکٹر شاذیہ مہدی.......................۴۵
- حضرت علی اکبرؑ.......................سید علی ہاشم عابدی.......................۴۹
- معصومینؑ کی نگاہ حضرت عباس کا مقام.......................فاطمہ نقوی.......................۵۴
- حضرت زینبؑ اور نشر پیغام کربلا.......................سید عمار رضا نقوی.......................۵۹
- خطبہ حضرت زینب میں ادبی نکات.......................محمد تقی رضا.......................۶۴
- عزاداری کو درپیش خطرات.......................سید تقی عباس رضوی کلکتوی.......................۶۷
- عصر حاضر میں کربلا فہمی کے ذرائع.......................عادل فراز.......................۷۷
- امام زین العابدینؑ کے مجاہدانہ سیاسی منصوبے اور کارکردگی.......................سید حمید الحسن زیدی.......................۸۴
- امام موسی کاظم علیہ السلام کا ہارون رشید سے مناظرہ.......................ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی.......................۹۴
- نوحہ بمناسبت شہادت پیغمبر اکرم ﷺ.......................علامہ ذیشان حیدر جوادیؒ.......................۹۷
- امام حسن اور امام حسین کی سیاسی کارکردگی کی مشابہات.......................ابن حیدر.......................۹۸
- علامہ کنتوری اعلی اللہ مقامہ.......................سید رضی حیدر پھندیڑوی.......................۱۰۲
- شہید جمہور رہبر انقلاب کی نگاہ میں.......................ڈاکٹر سرور عباس نقوی.......................۱۰۵
- مدارس علمیہ ہندوستان میں شہدائے خدمت کی مجالس ترحیم.......................ادارہ.......................۱۱۳
- اخباری تراشے.......................ادارہ.......................۱۱۵

حمد باری تعالیٰ

خالق انس و جاں، ربنا، ربنا — رب کون و مکاں، ربنا، ربنا

تیری عظمت کے آگے بصد عاجزی — سب ہیں سجدہ کناں، ربنا، ربنا

عالم خلق و ھستی کی ہر ایک شے — ہے تری حمد خواں، ربنا، ربنا

ذرہ، ذرہ سے قدرت عیاں ہے تری — تو نہیں ہے کہاں، ربنا، ربنا

وہ نگاہیں ہیں اندھی جو کہتی ہیں یہ — تجھ کو ڈھونڈیں کہاں، ربنا، ربنا

تیری ھستی پہ ہے آشکار ادلیل — سارا نظم جہاں، ربنا، ربنا

سانس لیتے ہیں رحم و کرم سے ترے — اہل کون و مکاں، ربنا، ربنا

تیری تدبیر و قدرت کے ایماء پہ ہیں — سارے دریا رواں، ربنا، ربنا

موجزن ہیں تری حمد کرتے ہوئے — سب کی سب ندیاں، ربنا، ربنا

حکم سے تیرے ہر وقت گردش میں ہیں — سارے سیارگاں، ربنا، ربنا

تیری قدرت کا بے مثل شہکار ہے — نیلگوں آسمان، ربنا، ربنا

امر سے تیرے حرکت میں ہیں روز و شب — یہ زمین و زماں، ربنا، ربنا

شان تیری بتاتے ہیں دنیا کو ہم — روز دے کر اذاں، ربنا، ربنا

نزع کے وقت یہ آرزو ہے ظہورؔ — دیں صدا قلب و جاں، ربنا، ربنا

اداریہ

کربلا ایک عظیم ترین درس گاہ ہے جہاں پر عقائد، احکام، اخلاق اور عرفان کا درس ملتا ہے جہاں انسان کا نفس اطمینان کی منزلوں کا طے کرلیتا ہے جہاں توحید کے نام پر جان فدا کردینے کا جذبہ، امام وقت کی حمایت کا شوق مظلوموں کی ہمدردی کا ذوق ملتا ہے کربلا سے ہی بربریت سے ٹکرانے کا حوصلہ ملتا ہے اس لئے صحیح معنی میں کربلا کا درک حق و باطل کو درک کرنا ہے اور کربلا کو سمجھنا اسلام و کفر کو سمجھنا ہے کربلا وہ جگہ ہے جہاں انسانیت کو سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور کربلا ہی خدا کے اس جملہ کا اہم ترین مصداق ہے جس کو اس نے ملائکہ کے اعتراض کے مقابل کہا تھا "انی اعلم مالا تعلمون"(سورہ بقرہ ۳۰)

اسی لئے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس کے احیاء کا اتنا زور دیا ہے حتی امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: " ابن شبیب اگر دنیا کی کسی چیز پر رونے کا دل کرے تو (میرے جد) حسینؑ پر آنسوں بہاو" اس لئے امام نے زور دیا کہ اس سے اسلام کی بقاء ہے کیونکہ کربلا والوں کی یاد اور ان پر آنسو بہانا ہدف نہیں بلکہ دین کو زندہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اسی لئے امام حسینؑ پر رونے کے ثواب کو مطلق طور پر بیان کرنے والی احادیث کی یہ روایت "من بکی علی الحسین عارفا بحقه وجبت له الجنة" تفسیر کرتی ہے کہ محض رونا ہدف نہیں بلکہ معرفت امام مقصود ہے کیونکہ اسی سے خدا اور رسول کی صحیح معرفت ہوتی ہے اسی لئے فریقین کی متفقہ روایات میں اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کا نہ ہونا کفر اور شرک کے مترادف ہے۔

مذکورہ بیان سے نتیجہ یہ ہی نکلا کہ کربلا کی معرفت در حقیقت اسلام کی معرفت اور حق و باطل کے درمیان تمیز ہے اسی لئے اہل باطل کی پوری کوشش یہ ہوتی کہ وہ حق پسند افراد کو کربلا سے دور رکھیں کیونکہ کربلا ان مقدس نما افراد کے چہروں سے نقاب اتار لیتی ہے کہ جنھوں نے مقدس لباس کی آڑ میں اسلام کی جڑوں کو کاٹا اور رسول خدا کی میراث (قرآن اور اہل بیتؑ) کو تباہ و برباد کر دیا اور ہمیشہ ان کے پیروکاروں کو ظلم کا نشانہ بنایا آج ان کی اندھی تقلید کرنے والے چاہتے ہیں کہ عوام کربلا اور افکار کربلا سے دور رہے لیکن ان کا یہ کام زمین پر رہ کر سورج کو آنکھ دکھانے کے برابر ہے جس سے سورج کی روشنی اور چمک پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس سے آنکھیں دکھانے والوں کی آنکھیں ہی چکا چوند ہو جاتی ہیں۔

الحمد للہ آج بہت سے اہل حق مختلف ذرائع کے ذریعہ کربلا والوں کے پیغام کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں ان میں سے ایک نمایند گی جامعۃ المصطفیٰ ہندوستان بھی ہے اس کی ایک کارکردگی "بصائر" نامی جریدہ کی اشاعت ہے جس میں مختلف محققین کے مقالات پیش کئے جاتے ہیں اس عظیم امر کی مزید توفیق اور استمرار کے لئے خداوند متعال سے استدعا ہے۔

اسلامی مناسبتیں

محرم الحرام کے اہم واقعات

۲/محرم الحرام امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کا سرزمین کربلا میں وارد ہونا ۶۱ھ ،/وفات حضرت آدمؑ

۶/محرم الحرام شہادت حضرت یحییٰؑ

۷/محرم الحرام عمر بن سعد کے حکم پر امام حسینؑ کے خیموں تک پانی کی ترسیل روک دی گئی

۹/محرم الحرام تاسوعا اور شب عاشورا جس دن دشمن نے حسینؑ بن علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو کربلا میں محاصرہ کیا اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اجتماع کیا۔ امام حسینؑ نے دشمن سے ایک رات کی مہلت مانگی تاکہ اسے عبادت اور دعا و مناجات میں بسر کر سکیں۔

۱۰/ محرم الحرام روز عاشورا امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت سنہ ۶۱ ہجری قمری/ شام غریبان/حرم امام رضاؑ میں بم بلاسٹ سنہ ۱۴۱۵ھ

۱۱/محرم الحرام اسیرانؑ کربلا کا کوفہ کی طرف حرکت سنہ ۶۱ھ

۱۲/محرم الحرام اسیران کربلاؑ کا کوفہ میں ورود/شہادت امام سجادؑ ۹۴ھ یا ۹۵ھ ایک قول کی بنا پر۔

۱۹/محرم الحرام اسیران کربلاؑ کا شام کی طرف حرکت سنہ ۶۱ھ

۲۳/محرم الحرام تخریب حرم عسکریینؑ سامراء سنہ ۱۴۲۷ھ

۲۵/محرم الحرام شہادت امام سجادؑ سنہ ۹۴ یا ۹۵ھ ایک قول کی بنا پر

۲۶/محرم الحرام یزید کے سپاہیوں کے توسط سے مکہ کا محاصرہ اور کعبہ پر پتھراؤ سنہ ۶۳ھ

۲۸/محرم الحرام امام جوادؑ کو بغداد جلاوطن کیا گیا سنہ ۲۲۰ھ

ماہ صفر کے اہم واقعات

۳/صفر اسیران کربلا و شہداء کے سروں کو شام میں داخل کیا گیا۔ (امحرم سنہ ۶۱ ہجری.

۷/صفر شہادت امام حسن مجتبی علیہ السلام (ایک روایت کے مطابق) (۷ صفر سنہ ۵۰ ہجری.

۷/صفر ولادت امام موسی کاظم علیہ السلام سنہ ۱۲۸ ہجری/وفات آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی نجفی ۱۴۱۱ ہجری.

۲۰/صفر چہلم امام حسین علیہ السلام (۲۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری.

۲۸/صفر وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سنہ ۱۱ ہجری/شہادت امام حسن مجتبی علیہ السلام سنہ ۵۰ ہجری.

۳۰/صفر شہادت امام علی رضا علیہ السلام آخر صفر سنہ ۲۰۳ ہجری.

محرم و صفر کی مناسبات اور عبرتیں

ڈاکٹر رضا شاکری

ماہ محرم اپنے دامن میں بہت سی مناسابات کو لئے ہوئے ہے جن میں عظیم ترین مناسبت واقعہ شب عاشورہ اور روز عاشورہ ہے جو سن ۶۱ میں رونما ہوا جس میں کفر ایمان کے درمیان صف آرائی ہوئی جہاں انسان نما شیاطین اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کو میدان کربلا میں گھیرے کھڑے تھے ایسے افراد ہی کے پیش نظر ملائکہ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین پر خونریزی کرے گا لیکن خداوند متعال نے شھدائے کربلا، انبیاء و مرسلین اور ائمہ اور ان کے اصحاب خاصہ کے پیش نظر فرمایا تھا: ”جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے“ ”انی اعلم ما لا تعلمون“ (سورہ بقرہ ۳۰)

لہذا ہم کو کربلا سے درس عبرت لینا چاہیے کیونکہ ہم اسی وقت سچے حسینی کہے جانے کے لائق ہیں جب ہم ان کی سیرت پر چلتے ہوئے ان کے مقصد پر گامزن ہوں اور اپنے کو حسینی کردار میں ڈھال لیں کیونکہ امام حسین علیہ السلام نے آغاز ہی میں اپنا مقصد واضح اور آشکار کر دیا تھا آپؑ نے فرمایا تھا میں اس لئے نکلا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے فریضہ کو انجام دوں اور لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اور علی مرتضی علیہ السلام کی سیرت پر لے کر چلوں لہذا آپؑ کے عاشقوں اور محبوں کی ذمہ داری ہے کہ آپؑ کے مشن پر عمل پیرا ہوں ورنہ بغیر عمل کے چند پروگراموں کے انجام دینے کی وجہ سے ہم حسینی نہیں کہے جاسکتے۔

ہم کو شب عاشور کو ذھن نشین رکھنا چاہیے کیوں کہ ہم کو امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ اور اصحابؓ کے بیانات اور عبادات سے، تلاوت قرآن، ذکر الہی، عبادت خداوندی اور اپنے وقت کے امام سے اعلان ھمدردی کا درس ملتا ہے اسی رات ۱۳ سالہ قاسمؑ سے ہم کو موت کو گلے سے لگانے اور اس کو شھد سے زیادہ شرین جاننے کا درس ملتا ہے۔

اسی طرح روز عاشورہ سے ہم کو صبر، شجاعت، ہمت، شھامت، حوصلہ عبادت، شکر، ظلم ستیزی، دیانت داری، ایمان، ایقان، عرفان اور انسانیت کا درس ملتا ہے کیونکہ اس دن اصحاب حسینیؓ، اہل بیتؑ اور نواسہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ امام حسینؑ نے تمام خوبیوں کو اپنانے اور برائیوں سے پرہیز کرنے کے ساتھ ظلم ستیزی کا اہم ترین درس دیا کہ آج دینا میں ظلم و ستم اور بے عدالتی کے خلاف ہونے والی تمام نہضتیں اور انقلابات اسی نہضت حسینی کے ممنون منت ہیں جس کا اقرار نہضتوں کے رہبروں نے کیا ہے۔

عاشورہ کے بعد جناب زینب کبریؑ نے یہ درس دیا کہ ظلم کے خلاف کھڑے ہونے میں اپنے صف نازک ہونے سے نہ ڈرنا بلکہ اگر ایک خاتون خداوند متعال پر توکل کرے تو وہ صرف قافلہ سالار ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کے امام کی محافظ اور دشمن کی حکومت کے خلاف طوفان بھی

بن سکتی ہے زینب کبریٰؑ نے اس دربار میں کہ جس میں مردوں کی زبانیں لال ہو جاتی تھیں اور خوف کے مارے مسند پر بیٹھے ظالم کو السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر سلام کہہ دیا کرتی تھیں اسی دربار میں علی بیٹی زینب کبریٰؑ نے یزید کو اس کی اوقات دکھادی جب آپؑ نے فرمایا: اے یزید جو مکر و فریب ہمارے ساتھ کرنا ہے کر اور پوری کوشش کر کوئی کسر نہ چھوڑ مگر یاد رکھ میں تجھ کو مٹی کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔

اس ماہ میں امام سجاد کی شہادت بھی ہے آپ کی زندگی سے ہم کو شجاعت صبر و تحمل اور حق بیانی کا درس ملتا ہے آپ نے شام کے منبر پر بھرے دربار میں یزید کو ایسا شرمسار کیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی آپؑ نے اسیری اور ہتکڑی اور بیڑیوں میں بندھے ہونے کے باوجود ایک لمحہ بھی خدا سے غفلت نہ کی اور کوئی شکوہ زبان پر نہ لائے بلکہ خدا کا شکر ہی ادا کیا اور اتنے سجدے اور عبادتیں کیں کہ سید الساجدین اور زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے لیکن اتنی عبادتوں کے باوجود بھی ان کو کچھ نہ سمجھا جب بیٹے کہا بابا جان آپ اتنی نمازیں ادا کرتے ہیں تو کہا: ذرا میرے جد کا صحیفہ تو اٹھا کر دیکھو میرے دادا علیؑ کی عبادت کہاں! اور میری عبادت کہاں ایک مقام پر فرمایا: کاش میری نمازوں کو میرے جد کی دو رکعت نماز کے بدلہ دیدیا جائے کربلا کے بعد بھی آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا لہذا واقعہ کربلا کے بعد اتنی عبادت کرنا آپ ہی کا ھنر ہے۔

صفر کی ۷ تاریخ امام کاظم علیہ السلام کی تاریخ ولادت ہے آپؑ کی زندگی سے ہم کو صبر، تحمل، عبادت اور پاکدامنی کا درس ملتا ہے آپؑ کی زندگی کا زیادہ حصہ ہارون کی قید میں گزرا مگر ایک لمحہ آپ کی زبان پر شکوہ نہ آیا بلکہ قید خانہ کے ہر امتحان سے سربلند نکلے اور جس عورت کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ بھی زندان سے دربار میں آکر آپ کے تقوے اور فضائل کا کلمہ پڑھنے لگی اس سے ہم کو درس لینا چاہیے کہ ایک مسلمان اور مومن کو ہر حال میں تقوائے الہی کو اپنانا چاہیے اور زندان کو بھی خدا سے خلوت کرنے کا ایک بہترین موقع سمجھنا چاہیے اور اگر انسان خدا پر توکل کرے تو وہاں بھی دوسری کی ہدایت کا سبب قرار پا سکتا ہے۔

۲۸ صفر میں پیغمبر اکرم ﷺ اور امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کا دن بھی جن کی سیرت ہم کو بہت سے اخلاقی پیغام دیتی ہے۔

رسول اکرم کی حیات طیبہ سے ہم کو درس ملتا ہے کہ الہی مشن پوری قوت کے ساتھ بڑھایا جائے اور کسی کا خوف ہراس دل میں نہ لایا جائے ممکن ہی دشمن آپ کو زن، زر اور حکومت کا لالچ دے مگر گھبرانا مت، اگر وہ تمھارے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھدے تو بھی اپنے دین کی تبلیغ سے منہ نہ موڑنا، خدا پر توکل کرنا وہی تمہارا سرپرست ہے اور جس طرح میں نے آخری وقت تک اپنی امت کی ہدایت کے لئے سوچا اور اپنے اصحاب کو متحد و متفق رکھنے اور ان کو گمراہی سے نجات دینے کے لئے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قلم دوات کا تقاضہ کیا اگرچہ میرے حکم کی اطاعت نہ ہوئی لیکن میں نے آخر تک اپنی امت کی ھدایت اور راہنمائی سے چشم پوشی نہیں کی لہذا تم بھی اسی طرح کبھی اپنے دین کی تبلیغ سے غافل نہ ہونا۔

امام حسن مجتبی علیہ السلام کی سیرت سے بھی ہم کو یہ ہی درس ملتا ہے کہ ہمیشہ خدا اور رسول اور اسلام کے سخت ترین دشمن سے ہوشیار اور شمشیر بکف رہنا لیکن اگر تمہارے قیام سے دین کو نقصان ہو اور تم کو مجبوری میں صلح کرنا پڑ جائے تو دشمن کے سامنے ایسے شرائط رکھ کر صلح کرنا کہ جن کو عملی جامہ پہنانے سے اسلام کی سربلندی ہو اور ایسے میں کبھی اپنی نفسانی خواہش اور اپنے چاہنے والوں کے جذبات پر عمل پیرا ہو کر دین کا نقصان نہ کر بیٹھنا بلکہ اپنے کو آیندہ کے تیار رکھنا تاکہ موقع ملتے ہی ظالم کے خلاف قیام کر سکو اور اس دوران ایسے افراد کی تربیت کر دینا کہ اگر تم بھی نہ رہو تو تمہارا مشن باقی رہے خداوند متعال کا دین پروان چڑھتا رہے یہی وجہ تھی کہ شب عاشور آپؑ کے تربیت کردہ اصحابؓ اور اہل بیتؑ امام وقت حسینؑ بن علیؑ کی حمایت میں سر بکفن آمادہ تھے حتی آپؑ کے ۱۳ سالہ بیٹے قاسمؑ نے کہا چچا کیا میرا نام محضر شہادت میں نہیں تو امام نے پوچھا بیٹا تمہاری نظر میں موت کیسی ہے تو کہا: ''احلی من العسل'' چچا جان میری نظر میں موت شہد سے زیادہ شیریں ہے یعنی میں آپؑ پر جان دینے کے لئے بیتاب ہوں۔

اسی ماہ کے آخر میں امام رضاؑ کی بھی شہادت ہے امام رضاؑ کی زندگانی سے ہم کو یہ درس ملتا ہے کہ ہے ہم دشمن کے تمام مکر و فریب کو نقش بر آب کر دیں اور کسی جہت سے اس کو کامیاب نہ ہونے دیں جس طرح مامون نے امام کو خلافت اور وزارت کے ذریعہ ان کے دامن کو داغدار بنانا چاہا مگر امامؑ نے خلافت کو ٹھکرا کر اور وزارت بالجبر قبول کر کے اپنے کو بے دخل کر دیا اور سیرت رسول ﷺ اور علی مرتضیٰؑ پر چل کر دشمن کی تمام مرادوں پر پانی پھیر دیا اور مدینہ سے مرو آتے وقت نیشاپور میں ہزاروں دانشمندوں کے درمیان حدیث سلسلۃ الذھب ''کلمۃ لاالہ حصنی'' کو بیان کر کے اور اسمیں ''انا من شروطھا'' کی قید لگا کر اپنے الٰہی خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا اور عباسی خلیفہ مامون کی خلافت پر خط بطلان کھینچ دیا۔ اسکے بعد دربار میں مختلف ادیان کے علماء سے ہونے والے مناظروں میں اس روش کو اپنایا کہ دنیا میں اہل بیتؑ کی حقانیت اور اسلام کی بالادستی کا اعلان ہوا اور دشمنان اسلام کا منہ کالا ہوا امام رضا علیہ السلام اور ہمارے دیگر ائمہ ہمارے لئے باعث افتخار ہیں۔

آخر میں خداوند عالم سے دعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کو سیرت اہل بیتؑ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو علوی جینے اور حسینی مرنے کا سلیقہ مرحمت فرمائے۔

شہادت حسینی پر لکھے جانے والے مقاتل کا جائزہ

آیۃ اللہ محمدی ری شہری/مترجم فیروز علی بنارسی

امام حسین علیہ السلام کے قیام بالخصوص واقعہ کربلا نیز امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے موضوع پر اور آپ کے مقتل کے بیان کے سلسلہ میں تاریخ میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ خود اس واقعہ کے سلسلہ میں مسلمان علماء و محققین کی اہمیت دینے کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ کتابیں معتبر ہونے نقل اور تحلیل کرنے میں دقت نظر کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں اور انھیں مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: قابل استناد کتابیں اور ضعیف اور ناقابل استناد کتابیں۔ البتہ یہ تقسیم بندی صرف ان کتابوں میں صحیح ہے کہ جو ہماری دسترس میں ہیں، اس لئے کہ ایک اور مجموعہ جنھیں منابع مفقود (گمشدہ کتابیں) کہتے ہیں، صرف فہرست ناموں میں ان کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور اس وقت بلاواسطہ ان تک دسترسی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اگرچہ ان مفقود کتابوں کے بعد واقعات و روایات دوسری کتابوں میں آگئی ہیں لہٰذا واقعہ کربلا اور عزاداری کے سلسلہ میں تحقیق کے لئے چار طرح کے منابع اور کتابیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ قابل استناد کتابیں

۲۔ ناقابل استناد کتابیں

۳۔ معاصر کتابیں

۴۔ گمشدہ کتابیں

قابل استناد کتابوں سے مراد وہ کتابیں ہیں کہ جن کی تاریخی حیثیت و اہمیت ہے اور ان کے مولفین معین، ممتاز، شناختہ شدہ اور روشن مند علماء ہیں۔ اگرچہ ان کی ایک ایک روایت تنقید کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

ناقابل استناد یا ضعیف کتابیں بلا سند اور تاریخی مؤید کے بغیر واقعہ بیان کرنے والی کتابیں کہ ہم ان کتابوں کے واقعات، روایات اور مندرجات کو پہلے دستہ کی کتابوں میں ان کے تاریخی مؤید ہونے کی صورت میں مانیں گے۔

ہم یہاں پر پہلے قابل استناد کتابوں (۳۳ کتابوں) کا اجمالی تعارف پھر مشہور ضعیف کتابوں میں سے (۱۰ کتابوں) کا تعارف پیش کریں گے۔

قابل استناد کتابیں

خوش قسمتی کی بات ہے کہ شروع کی پانچ صدیوں کی کئی قابل اعتماد کتابیں موجود ہیں جو واقعہ کربلا کو بیان کرتی ہیں۔ ان کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ مستقل یعنی وہ کتابیں جو خاص طور سے قیام عاشورا اور بے نظیر واقعہ کو وجود میں لانے والی عظیم شخصیات کو بیان کرتی ہیں۔

۲۔ مشتمل یعنی وہ کتابیں کہ جن کا کچھ حصہ اور چند فصلیں قیام امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہیں۔ ہم یہاں پر ان اہم کتابوں کو تاریخی ترتیب سے بیان کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ کتابیں معتبر ہونے کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں لیکن ان سب کی جانب رجوع کر سکتے ہیں اور ان کو سند اور دلیل بنا سکتے ہیں۔

باضابطہ تاریخی تحقیقات کے ذریعہ قابل قبول ہیں۔

قابل استناد کتابوں کی اجمالی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔تَسمیۃُ مَن قُتلَ مع الحسین علیہ السلام من وُلدِہِ و إخوَتِہِ و أھلِ بیتِہِ و شیعتِہِ، فُضَیل بن زبیر اسدی کوفی، دوسری صدی ہجری کے شیعہ علماء میں سے، یہ مختصر کتاب واقعہ کربلا کے سلسلہ میں پہلی موجود کتاب ہے۔

۲۔کتاب الطبقات الکبیر (الطبقات الکبری)، محمد بن سعد بن منیع زُہری (ابن سعد) (متوفی ۲۳۰ھ)

۳۔الإمامۃ و السیاسۃ، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قُتَیبہ دینَوَری کوفی (متولد ۲۱۳ھ-متوفیٰ ۲۷۶ھ) .

۴۔أنساب الأشراف، احمد بن یحیی بَلاذُری (متوفیٰ ۲۷۹ھ)

۵۔ الأخبار الطِّوال، ابو حنیفہ احمد بن داوود دینَوَری (متوفیٰ ۲۸۲ یا ۲۹۰ھ)

۶۔ تاریخ الیعقوبی، ابن واضح احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر (متوفیٰ ۲۹۲ھ)

۷ ۔ تاریخ الاُمم و الملوک (تاریخ الطبری)، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفیٰ ۳۱۰ھ)

۸۔ الفُتوح، ابو محمد احمد بن اعثم کوفی (متوفیٰ تقریباً ۳۱۴ھ)

۹۔ العِقد الفرید، ابو عمر احمد بن محمد اَندَلُسی (ابن عبدِ رَبّہ) (متولد ۲۴۶ھ۔متوفیٰ ۳۲۸ھ)

۱۰۔ مَقاتل الطالبیّین، ابو الفرج علی بن حسین اُمَوی اصفہانی (متولد ۲۸۴ھ۔متوفیٰ ۳۵۶ھ)

۱۱۔ المعجم الکبیر، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایّوب شامی طَبَرانی (متولد ۲۶۰ھ۔متوفیٰ ۳۶۰ھ)

۱۲۔ شرح الاَخبار، قاضی ابو حنیفہ نعمان بن محمد تمیمی مغربی (متوفیٰ ۳۶۳ھ)۔

۱۳۔ کامل الزیارات، ابو القاسم جعفر بن محمد بن قُولویہ قمی (ابن قولَویہ) (متوفیٰ ۳۶۸ھ)۔

۱۴۔ الأمالی (أمالی الصدوق)، محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی (شیخ صدوق) (متوفیٰ ۳۸۱ھ)

۱۵۔ المستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ شافعی (حاکم نیشابوری) (متولد ۳۲۱ھ۔متوفیٰ ۴۰۵ھ)

۱۶۔ الاِرشاد، نوشتہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان بغدادی (شیخ مفید) (متولد ۳۳۶ھ۔متوفیٰ ۴۱۳ھ)

۱۷۔ فضل زیارۃ الحسین علیہ السلام، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن عبد الرحمان علوی شجری (متولد ۳۶۷ھ۔متوفیٰ ۴۴۵ھ)

۱۸۔ مصباح المتہجّد، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (شیخ الطائفہ) (متولد ۳۸۵ھ۔متوفیٰ ۴۶۰ھ)۔

۱۹۔ الأمالی الخَمیسیّۃ، ابو الحسین یحیی بن حسین بن اسماعیل شجری (متولد ۴۱۲ھ۔متوفیٰ ۴۷۹ یا ۴۹۹ھ)۔

۲۰۔ روضۃ الواعظین و بصیرۃ المتّعظین، ابو علی محمد بن حسن بن علی (ابن فتّال نیشابوری) (متوفیٰ ۵۰۸ھ)

۲۱۔ اِعلام الوری بِأعلام الہدی، امین الاِسلام فضل بن حسن طَبرِسی (متوفیٰ ۵۴۸ھ)، مؤلّف تفسیر مجمع البیان۔

۲۲۔ مقتل الحسین علیہ السلام، ابو المؤیّد موفّق بن احمد بن ابی سعید خوارزمی مکّی (أخطب خوارزم) (متوفیٰ ۵۶۸ھ)

۲۳۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ابو القاسم علی بن حسن شافعی دمشقی (ابن عساکر) (متوفیٰ ۵۷۱ھ)۔

۲۴۔ الخرائج و الجرائح، ابو الحسین سعید بن عبد اللہ بن حسین بن ہبۃ اللہ (قطب الدین راوندی) (متوفیٰ ۵۷۳ھ)۔

۲۵۔ مناقب آل أبی طالب، ابو جعفر رشید الدین محمد بن علی مازندرانی (ابن شہر آشوب) (متوفیٰ ۵۸۸ھ)

۲۶۔ المَزار الکبیر، ابو عبد اللہ محمد بن جعفر مشہدی (متوفیٰ ۶۱۰ھ)

۲۷۔ الکامل فی التاریخ، ابو الحسن عزّالدین علی بن محمد شیبانی جَزری (ابن اثیر) (متوفیٰ ۶۳۰ھ)

۲۸۔ مُثیرالاحزان و مُنیر سُبل الاشجان، نوشتہ نجم الدین جعفر بن محمد حلّی (ابن نُما) (متوفیٰ ۶۴۵ھ)۔

۲۹ ۔ تذکرۃ الخواصّ من الاُمّۃ بذکر خصائص الائمّۃ علیہم السلام، ابو المظفّر یوسف بن قزِغلی بن عبد اللہ (سبط ابن جوزی) (متولد ۵۸۱ھ - متوفیٰ ۶۵۴ھ)

۳۰۔ المَلہوف علی قَتلی الطُّفوف، سیّد رضی الدین علی بن موسی بن جعفر حلّی، (سیّد ابن طاووس) (متوفیٰ ۶۶۴ھ)

۳۱۔ کشف الغُمّۃ فی معرفۃ الائمۃ، ابوالحسن علی بن عیسی بن ابی الفتح اِربلی (متوفیٰ ۶۹۲ھ)

۳۲۔ سیَرُ اَعلام النبلاء، شمس الدین محمّد بن احمد بن عثمان ذہبی (متوفیٰ ۷۴۸ھ)

۳۳ ۔ البدایۃ والنہایۃ، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (ابن کثیر دمشقی) (متولد ۷۰۱ھ - متوفیٰ ۷۷۴ھ)

ب: ناقابل استناد کتابیں

واقعہ کربلا تاریخ کے تعجب خیز واقعات میں سے ہے کہ اس میں گنتی کے چند بہادر و سورما خونخوار سفاک اور بے رحم سپاہیوں کے ایک عظیم لشکر کے مدمقابل آگئے اور انھوں نے زندگی کے آخری لمحہ اور خون کے آخری قطرہ تک ثبات قدم کا مظاہرہ کیا اور اپنے محبوب کی راہ میں اپنی پوری ہستی کو نچھاور کر دیا۔

اس شجاعانہ استقامت اور جواں مردانہ فداکاری و جاں نثاری نے اپنے وجود کے پہلے لمحات سے ہی آج تک کی تاریخ کی نگاہوں کو چکاچوند کر رکھا ہے زبان اور قلم کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔ مورخین اور سیرت نویس وہ ابتدائی افراد تھے کہ جنھوں نے اس واقعہ کے بہت سے پہلوؤں اور جزوی واقعات و حادثات کو بھی قلمبند کیا ہے یہاں تک کہ درباری مورخین جو بنی امیہ کے چیرہ خوار تھے وہ بھی ان حضرات کی دلاوری، شہامت و شجاعت آفتاب عالمتاب کو نظرانداز نہ کر سکے جو ظاہراً تعداد میں کم تھے مگر باطن میں بنی نوع انسان کی انسانیت کے برابر تھے۔ یا وہ اسے اپنی تحریف و توجیہ کے سیاہ بادلوں میں مکمل طور سے نہ چھپا سکے۔

کتب تاریخ و سیرت چاہے شیعوں کے یہاں یا اہل سنت کے یہاں یہاں تک کہ غیر مسلم مورخین کے درمیان بھی واقعہ کربلا ایک نقطۂ عطف اور ایک مسلم تاریخی واقعہ کے عنوان سے مرقوم ہے بلکہ اس کے ارکان اور اصلی و قائع تاریخی مشہورات، متواترات اور قطعیات میں سے ہے اگرچہ اس کی تفصیل اور جزئیات ہر دوسرے تاریخی واقعات کے مانند نقل میں اختلاف یا خامیوں اور متوقع مبالغہ آرائیوں کے ساتھ ہے۔ ایسا اس حالت میں ہے کہ وقت گزرنے اور اصل واقعہ سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ تبدیلی اور تحریف کی گنجائش بڑھ جاتی ہے اور یہی وہ اہم بات ہے جو پرانی کتابوں اور تاریخی لحاظ سے واقعہ سے قریب ترین کتابوں کی طرف رجوع کرنے کو ضروری قرار

دینے والے قاعدہ اور قانون کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ تاریخ و سیرت کی قدیم کتابوں نے واقعہ کربلا کو اس قدر دقیق اور تفصیل سے لکھا ہے کہ جو خود غرضیوں، خطاؤں، غلطیوں اور انسان کی ہمزاد کم غفلت اور کم توجہی کی آسانی سے نشاندہی کرتی ہیں۔

بعد کے ادوار میں لکھی جانے والی کتابوں کے اعتبار اور سندیت کو پرکھنے کا ہمارا معیار بھی یہی قدیم کتابیں اور تاریخی مشترکات ہیں وہ بھی تاریخی کتابوں اور دستاویزوں کے معیاروں کا خیال رکھتے ہوئے نیز چونکہ واقعہ کربلا ائمہ شیعہ کا ایک حماسی ترین جلوؤں میں سے ہے لہٰذا واقعہَ کربلا کے بارے میں کتابوں اور روایتوں کو عصمت امام کے پیمانہ پر بھی جانچنا چاہئے اور ائمہ شیعہ کے رفتار و کردار کو ان تمام باتوں پر حاکم اور مقدم رکھنا چاہئے جن کی نسبت ان حضرات کی جانب دی جارہی ہے۔

اس بنیاد پر جن کتابوں نے اپنے بیانات و مندرجات کی نقادی نہیں کی اور ان کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا ہے اور ان کا اصلی تاریخی کتابوں سے ملان اور مقایسہ نہیں کیا ہے یا ان واقعات کے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب و انصار کی کرامت و شخصیت سے ٹکراؤ پر دھیان نہیں دیا ہے تو وہ کتابیں ہماری نظر میں ضعیف ہیں اور اعتبار، نقل اور استناد کے دائرہ سے باہر ہیں۔ جس کتاب میں جس قدر بغیر سند و اصل کے جتنے زیادہ واقعات ہوں گے یا کربلائیوں کی کرامت آمیز و عزتمند شخصیت کے مخالف ہوں گے اتنا ہی اس کتاب کا ضعیف ہونا بڑھتا چلا جائے گا اور مذکورہ بالا باتیں جسقدر کم ہوں گی کتاب بھی اسی حد تک معتبر ہوتی چلی جائے گی۔

اس بات کا مقصد یہ ہے کہ اس میدان میں ہماری تنقید و تحقیق ان کتابوں اور اس کے مضامین پر ہو گی، نہ کہ مولف اور لکھنے والے والے پر؛ اس لئے کہ اس طرح کی کتابوں کے بعض مولفین ان افراد اور شخصیات میں سے ہیں کہ جنھوں نے واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب و انصار کی تعجب خیز شخصیت سے متاثر ہو کر اور ان سے حد درجہ محبت کی بنا پر ان حضرات کی فداکاری و جاں نثاری کی قدردانی میں قلم اٹھایا ہے، بغیر اس کے کہ انھیں تاریخ میں مہارت حاصل ہوتی۔ انھوں نے ایسے میدان میں قلم اٹھایا ہے، جو درحقیقت ان کے علمی سرمایہ اور خزانہ جیسے فقہ و تفسیر سے جدا تھا، دوسرے لفظوں میں امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں اپنے آپ کو مقروض سمجھنا، اس جوش و جذبہ کے ساتھ آمیختہ کیا گیا جو قیام عاشورا کے مطالعہ سے ہر انسان میں پیدا ہوتا ہے، اس نے ان عاشق و دلدادہ مولفین کو کبھی بے بنیاد روایتوں سے روبرو ہونے پر تساہلی اور تغافل کی جانب لے گئیں اور اس بات کا سبب بن گئیں کہ انھوں نے ان سے یا بعض واعظین اور مرثیہ خوانوں کی زبانی سننے پر اعتماد اور بھروسہ کیا اور ناسازگار اضافوں کو اصلی واقعہَ عاشورا کے ساتھ اور قیام عاشور کے اغراض و مقاصد سے ٹکراؤ کے وجود ان چیزوں کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا اور بسا اوقات کم اعتبار، مجہول یہاں تک کہ جعلی اور گڑھی ہوئی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ بعض مواقع اور عوامل و اسباب نے اس سلسلہ کو شدت بخشی ہے منجملہ واقعہ کربلا میں داستان سرائی کے سبک کی ایجاد، جذاب اور دلچسپ انداز میں پیش کرنا اور مخاطبین و سامعین کو محور بنا کر واقعات بیان کرنا، ایک ایسا سبک و روش کہ جو واقعات کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور دلچسپ بنا کر پیش کرنے کی انسان کے طبعی رجحان کی بنا پر وجود میں آیا اور انسان کے اپنے بزرگوں اور عظیم بہادر شخصیتوں

کو مزید عظیم بنانے کے فطری میلان نے اس کام میں مدد کی۔ اس درمیان ایسے افراد بھی پیدا ہوئے جنھوں نے زبانِ حال کے نام پر جھوٹ گڑھنے سے روکنے والی آیات و روایات کو نظر انداز کر دیا، صرف یہی نہیں بلکہ بعض نمونوں میں تو جھوٹ کو جائز قرار دے دیا۔

تخیلی، احساسی اور قصہ و کہانی کی زبان نے منبر، مرثیہ اور نوحہ میں راستہ بنا کر زبانی اور تحریری نقل و بیان کو بالکل الٹ کر رکھ دیا ہے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد جو باتیں لوگوں نے احساسات کو ابھارنے کے لئے مرثیہ، مداحی اور واقعہ نقل و بیان کرنے کے عنوان سے بنائی اور پڑھی گئی تھیں وہ باتیں کتابوں میں داخل ہو گئیں اور ایسے افراد کی جانب سے کہ جو قدیم کتابوں اور واقعہ کربلا کے زمانہ سے قریب زمانہ میں لکھی جانے والی کتابوں اور وہ کتابیں جو کئی صدیاں بعد لکھی گئیں ان کے درمیان کسی خاص فرق کے قائل نہیں ہوئے اور وہ کتابیں ایک تاریخی اور قابل ذکر سند کی صورت اختیار کر گئیں۔

یہ تمام چیزیں ناخواستہ انسانی خطائیں ہیں کہ وہ جو تاریخی واقعات میں پیش آتی ہیں جیسے زبانی بیان میں حافظہ کی خطا، یا لکھتے وقت آنکھ کی خطا جو کتابوں اور قلمی نسخوں کو پڑھتے وقت پیش آتی ہے بالخصوص جب قلمی نسخوں میں غلطیاں ہوں یا اس کی تحریر اور لکھاوٹ خوشخط نہ ہو۔

جو چیز محققین کے لئے امیدواری کا باعث ہے وہ اس نامبارک حالات کا ہری شکل میں ہونا ہے اس معنیٰ میں کہ اگرچہ ممکن ہے کہ دور حاضر کی کتابیں جو صحیح اور غلط مطالب کا مجموعہ ہیں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے لیکن ان کتابوں کے نقل کے سلسلۂ سند کے بارے میں تحقیق انگلیوں پر گنے جانے والی چند کتابیں تک پہونچا دیتی ہیں کہ جو کربلا کے ولولہ خیز اور عظیم واقعہ کو بیان کرنے میں خیال ادب اور تاریخی دستاویز سے خالی واقعات کے داخل ہونے کا سرچشمہ ہیں۔

دائرۃ المعارف امام حسین علیہ السلام کہ یہ کتاب (شہادتنامہ امام حسین علیہ السلام) اسی دائرۃ المعارف کا ایک انتخاب ہے واقعہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے اصحاب و انصار کی شہادت سے مربوط حصوں سے، سینکڑوں روایتوں کی تحقیق اور قدم بہ قدم ان روایتوں کی چھان بین کے بعد ان چند کتابوں کی شناخت کی ہے اور ان نقاط قوت و ضعف کو بیان کیا ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کتابوں کی ساری باتیں غلط اور تحریف شدہ ہیں اس لئے کہ ان کتابوں میں تاریخ و سیرت کی قدیم اور اصلی کتابوں سے معتبر روایات اور واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ ہماری مراد یہ ہے کہ ان کتابوں میں بہت سی غلط یا بغیر کتاب اور تاریخی سند کہ روایات پائی جاتی ہیں۔ جو امام حسین علیہ السلام اور آپ کو اہل حرم علیہم السلام کی سیرت اور اعمال و کردار اور رفتار سے میل نہیں کھاتے ہیں۔ اگرچہ بعض روایات ایسی بھی ہیں کہ ان کے ان کتابوں میں موجود ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے کہ جو کتابیں ہم تک نہیں پہنچ پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی کتابوں میں درج مطالب بغیر تحقیق کے قابل استناد و اعتماد نہیں ہیں۔

امام حسینؑ سے محبت کے باوجود کوفیوں نے تلوار کیوں اٹھائی؟

سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی

ہمیں اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے کوفہ اور انقلاب کوفہ کی شکست پر روشنی ڈالنا پڑے گی تب یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ کوفیوں نے امام حسینؑ کے خلاف تلواریں کیوں اٹھائیں؟

واقعہ کربلا کو ۱۴ صدیاں گزر گئیں مگر کوفہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ سوال ابھی تک باقی ہے کہ 'کوفیوں نے امام حسینؑ کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی؟' اور یہ سوال اِس لئے پیدا ہوا کیوں کہ کوفے کو امام علیؑ کا دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے شیعوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔

اگر ہم کوفہ شہر کی تاسیس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کوفہ میں مخلوط آبادی تھی اور اس شہر کی تاسیس ایران اور روم کو فتح کرنے کے بعد کی گئی تھی اور یہاں تقریباً ایک لاکھ جنگجو رہتے تھے، جغرافیائی اعتبار سے یہ اسلامی شہروں کے مرکز میں واقع تھا اور ایران کے شہر رے تک کو یہاں سے کنٹرول کیا جاتا تھا[1]، لہٰذا یہ نظریہ بے بنیاد ہے کہ کوفہ شیعوں کا مرکز یا ایک شیعی شہر تھا۔ علامہ کورانی لکھتے ہیں کہ:

"کوفہ میں بہت بڑی تعداد میں مختلف عرب قبائل کو بسایا گیا تھا، ان کے ساتھ جو فارس کے لوگ تھے وہ ان کے علاوہ تھے، بعد میں دوسرے مسالک کے لوگ بھی شامل ہو گئے یعنی نصرانیوں (عیسائیوں) اور یہودیوں کو بھی آباد کیا گیا"[2]

امام علیؑ نے بڑی حکمت اور جغرافیائی ضرورتوں کے تحت اپنی حکومت و خلافت کا مرکز کوفہ کو قرار دیا تھا اور اس میں تمام مکاتب فکر کے مسلمان آباد تھے اور جب بھی اسلامی حکومت کو جنگ درپیش ہوتی تو سبھی مسلمان مجاہد اسلامی لشکر کا حصہ ہوتے تھے، اس شہر کے تانے بانے اس قدر پیچیدہ تھے کہ امام علیؑ کی حکومت کے بعد بھی یہ شہر اسی طرز پر قائم رہا اور اس میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی، علامہ حسین کورانی کے بقول:

"حضرت علی علیہ السلام کے بعد بھی کوفہ کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، کوفہ کی نفسیاتی کیفیت میں خوف و ہراس، بے چینی اور بے سکونی نمایاں نظر آتی ہے۔ منافقین اور متضاد موقف اسی کا نتیجہ رہا، تذلیل، کمینگی، پستی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جبر و زبردستی اور دھونس دھاندلی کے علاوہ کچھ شکار بنانے والے اور کچھ شکار ہونے والے نظر آتے ہیں"[3]

---

[1]. محراب کربلا، صفحہ ۶۹، تحقیق و تالیف علامہ حسین کورانی، ترجمہ سید افتخار حسین نقوی، ناشر نظامی پریس لکھنؤ

[2]. محراب کربلا، صفحہ ۵۹

[3]. محراب کربلا، صفحہ ۷۲

یعنی کوفہ میں لوگوں نے نورِ امامت سے کسب فیض کیا ہی نہیں اور لاکھ کوششوں کے باوجود بھی انہوں نے اپنی پست روش کو تبدیل نہیں کیا، البتہ جو واقعی شیعہ تھے اور دِل سے ائمہ علیہم السلام کی امامت کے معتقد تھے یا جن کے قلوب میں ایمان کی رمق باقی تھی وہ تعلیمات اہل بیتؑ سے منور ہو گئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ ایک ملی جلی آبادی والا شہر تھا جس میں شیعہ بھی سکونت پذیر تھے۔ اسی وجہ سے جنگ جمل، صفین، نہروان، قیام مسلم بن عقیل اور کربلا میں کوفیوں کا کردار متضاد نظر آتا ہے۔

جب معاویہ نے عراق (کوفہ) کی جانب لشکر روانہ کیا اور امام علیؑ کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپؑ نے کوفہ سے لشکر اکٹھا کیا تو اس میں بھی سبھی جنگجو شامل تھے صرف شیعہ نہیں تھے۔

ایسا ہی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی ہوا، جب معاویہ نے عراق پر چڑھائی کی تو امام حسنؑ نے کوفہ سے لشکر اکٹھا کیا تو اس میں بھی صرف شیعہ نہیں تھے بلکہ سبھی مسلمان شامل تھے، جسے استاد مهدی پیشوائی نے پانچ گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

۱ - حضرت علیؑ کے مخلص شیعہ۔

۲ - خوارج، جو ہر قیمت پر معاویہ سے جنگ کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے اور یہ لوگ امام حسنؑ کے لشکر میں فقط بغضِ معاویہ کی وجہ سے شامل ہوئے تھے، امامؑ کی محبت یا پیروی میں نہیں۔

۳ - مفاد پرست، جن کا ہدف صرف مالِ غنیمت تھا۔

۴ - وہ لوگ جو امام حسنؑ کی عظمت میں شک کرتے تھے اور دوغلی پالیسی رکھتے تھے، اور امام حسنؑ کو معاویہ پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

۵ - وہ لوگ جو دین کی خاطر نہیں بلکہ خاندانی تعصب کی بناء پر رئیس قبیلہ کی پیروی کرتے ہوئے امام حسنؑ کے لشکر میں شریک ہوئے تھے کیوں کہ ان کے خاندانی حریف معاویہ کے لشکر میں تھے۔[1]

کوفہ میں یہی تناسب انقلاب کوفہ اور قیام سید الشہدا علیہ السلام کے وقت بھی موجود تھا اور اس تناسب نے کوفہ کے حالات کو بہت زیادہ پیچیدہ بنا دیا تھا۔

[1]. سیرۂ پیشوایان، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲، تالیف استاد مهدی پیشوائی، مطبوعہ ایران۔

یہ صحیح ہے کہ پہلا خط امام حسین علیہ السلام کو کوفہ سے شیعوں نے لکھا تھا مگر اس کے بعد جو خطوط لکھے گئے وہ صرف شیعوں کی جانب سے نہیں تھے، بلکہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی جانب سے لکھے گئے تھے۔ اور یہی خط لکھنے والے غیر شیعہ، روز عاشور کربلا میں یزیدی لشکر کا حصہ تھے اور امام حسینؑ کے خلاف تلواریں بلند کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو امامؑ نے اس طرح مخاطب فرمایا تھا:

"اے شیث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن الحارث!! کیا تم لوگ یہ تحریر کرنے والے نہیں ہو کہ باغات سر سبز ہیں، پھل پک چکے ہیں، حالات مکمل طور پر سازگار ہیں، آپؑ کے لئے ایک تیار اور آمادہ باش لشکر موجود ہے، بس آپؑ فوراً تشریف لے آئیں۔[۲]"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے وہی لوگ امام حسینؑ کے خلاف تلواریں بلند کر رہے تھے، جو نہ امام حسینؑ کے محب تھے اور نہ شیعہ۔ بلکہ دنیا طلب اور مفاد پرست لوگ تھے جنہیں قیام کوفہ کے وقت یہ اندیشہ تھا کہ امام حسینؑ کی اگر حکومت قائم ہو گئی تو ہم بے بہرہ رہ جائیں گے لہٰذا انہوں نے امامؑ کو خط لکھنے شروع کر دیئے اور جب مختلف نیرنگیوں اور حیلوں بہانوں سے کوفہ پر ابن زیاد کی گرفت مضبوط ہو گئی تو انہیں اپنے مفاد ابن زیاد کے لشکر میں نظر آنے لگے تو یہ لوگ ادھر چلے گئے۔ اور ابن زیاد کے ذریعہ دیئے گئے لالچ نے انہیں اتنا اندھا کر دیا کہ یہ لوگ محبت دنیا میں اپنی عاقبت ہی گنوا بیٹھے۔

عمر سعد جو امام حسینؑ کے مرتبے سے آگاہ تھا مگر "رے" کی حکومت کے لالچ نے اسے بھی اندھا کر دیا، اسی طرح دوسرے کوفی تھے، جو چند اشرفیوں کے لالچ میں نواسۂ رسولؐ کو قتل کرنے کربلا پہنچ گئے، کوفیوں میں لالچ اتنا بڑھ گیا تھا کہ جو کوفی جناب مسلمؑ کے ساتھ دار الامارہ کو گھیرے ہوئے تھے اور ابن زیاد کو اس سے خلاصی کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، کوفیوں کے لالچ نے ابن زیاد کا کام آسان کر دیا اور جب ابن زیاد نے تلوار کے بدلے سونا دینے کا اعلان کیا تو ان جنگجوؤں کی خواتین دار الامارہ پہنچ گئیں اور اپنے مردوں کی تلواریں چھین لائیں اور اس طرح یہ محاذ شکست سے دوچار ہو گیا۔

کوفیوں کا دوسرا گروہ وہ تھا جو حکم امامؑ کو یزید کے حکم پر مقدم نہیں سمجھتا تھا، اس گروہ میں سر فہرست نعمان بن بشیر تھا جو کوفہ کا حاکم تھا۔ اگرچہ نعمان کا باپ "بشیر بن سعد" انصار سے پہلا شخص تھا جس نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت کی تھی، یہ کوفے والوں سے دشمنی بھی رکھتا تھا کیونکہ کوفہ والے امام علیؑ کو چاہتے تھے، جنگ صفین میں بھی یہ معاویہ کے ساتھ تھا اور اسی وجہ سے یہ یزید کا معتمد تھا مگر پھر بھی امام حسینؑ کے کوفہ میں داخل ہونے کے بارے میں مثبت رائے رکھتا تھا اور امام حسینؑ سے جنگ نہیں چاہتا تھا، اس سب کے باوجود وہ امام

---

[۱]. محراب کربلا، صفحہ ، تحقیق و تالیف علامہ حسین کورانی، ترجمہ سید افتخار حسین نقوی، ناشر نظامی پریس لکھنؤ

[۲]. محراب کربلا، صفحہ ۴۹

حسینؑ کو یزید پر ترجیح نہیں دیتا تھا، نعمان کی طرف یہ جملہ بھی منسوب ہے کہ فرزند رسولؐ سے اس نے یہ جملہ کہا کہ: "فرزندِ رسولؐ! ہمارے نزدیک ابن بجدل (یزید) سے زیادہ محبوب ہے"[1]

اس کے باوجود بھی نعمان کشمکش میں مبتلا رہا اور یزید کے مقابلے امام حسینؑ کی حمایت نہ کر سکا۔!

یہی حال اور بہت سے کوفیوں کا تھا، یہ بات کوفیوں کی خاموشی کا بڑا اسباب شمار ہوتی ہے، جس کی وجہ سے امامؑ کے خلاف تلواریں بلند ہوگئیں، ورنہ کوفے میں اگر اس طرح کے لوگ آواز بلند کرتے تو جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

اور اگر ہم کوفہ کے شیعوں کی بات کریں تو ان کی بے بصیرتی نے انقلاب کوفہ کو بڑا نقصان پہنچایا جس کے سبب کربلا وجود میں آئی ،اگر کوفہ کے شیعہ بے بصیرت نہ ہوتے تو تنہا ابن زیاد پورے کوفہ پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا وہ بھی اُس ماحول میں جب رائے عامہ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف تھی اور لوگ بے صبری سے امام حسینؑ کا انتظار کر رہے تھے۔

سلیمان بن صرد خزاعی جن کا شمار کوفہ کے شیعہ علماء میں ہوتا تھا مگر بے بصیرتی کا یہ عالم تھا کہ کوفہ میں جب شیعہ، انقلاب کی باتیں کر رہے تھے اور نائب امام حضرت مسلم بن عقیلؑ کی حمایت کے لئے متحد ہو رہے تھے تو انہوں نے اپنا الگ ہی نظریہ پیش کیا کہ "غیبت امام میں تلوار نہیں اٹھاؤں گا، امامؑ کی موجودگی میں امامؑ کی رکاب میں ہی جہاد کروں گا" اور اس طرح ایک بڑی طاقت شیعوں کے اتحاد سے علیحدہ ہوگئی لہٰذا سلیمان اپنے کئی ہزار افراد کے ساتھ انقلابیوں سے علیحدہ ہوگئے کوفہ کے انقلاب کو نقصان پہنچ گیا اور تو اور سلیمان کو کربلا تک بھی جانے کی توفیق نہ ہو سکی اور فرزندِ رسولؐ تین دن کے بھوکے پیاسے ذبح کر دیئے گئے۔

یہ اُن شیعوں کے لئے بہت بڑا درس ہے جو غیبتِ امامؑ میں ولی فقیہ کی اطاعت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معصوم امامؑ کے ہوتے ہوئے ہم غیر معصوم کی اطاعت نہیں کر سکتے۔

یہ لوگ نہ سیاسی شعور رکھتے ہیں اور نہ مذہبی، ایسے لوگ خواہ نخواہ دشمن کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور جب ان کی آنکھیں کھلتی ہیں تو یہ پچھتاتے ہیں۔

اس کے بعد بھی سلیمان کو ہوش نہ آیا اور جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو برہنہ شمشیریں لے کر بنی امیہ کے خلاف اِس عہد کے ساتھ نکل پڑے کہ جب تک جان میں جان ہے بنی امیہ کے خلاف لڑتے رہیں گے اور انہوں نے ایسا ہی کیا مگر کوفہ میں جناب مختار کا ساتھ نہ دیا۔

---

[1]. محراب کربلا، صفحہ ۱۵۷

دوسری بے بصیرتی کی مثال جناب ہانی بن عروہ کے قبیلے کی ہے، ابن زیاد مکاری میں مشہور تھا لیکن اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے یہ بہادر قبیلہ ابن زیاد سے مات کھا گیا اور جناب ہانی نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے اور ان کا یہ قبیلہ ابن زیادہ کے دامِ فریب میں گرفتار ہو گیا، جب کہ فراست مومن اِس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ جنگ کے وقت دشمن کی کسی بھی بات یا وعدہ پر بھروسہ کیا جائے

اِس کے علاوہ ہمیں اِس نکتے پر بھی توجہ دینی ہوگی کہ انقلاب کوفہ کو نقصان پہنچانے اور ناکام کرنے میں نصرانیوں اور یہودیوں کا بھی اہم کردار ہے، ایک طرف کوفہ میں کرنسی کا کاروبار انہی کے ہاتھ میں تھا جس سے کوفہ کی سیاست میں ان کا کافی عمل دخل تھا، اسے آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ آج ورلڈ بینک امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ صرف اسی بینک کے سہارے پاکستان جیسے کتنے ہی ملکوں کو اپنی مٹھی میں رکھ کر ان کے سیاسی حالات میں کافی حد تک مداخلت کرتا ہے، تقریباً یہی حال کوفہ میں یہودی اور نصرانیوں کا تھا۔

تاریخ کوفہ، صفحہ ۱۴۸ اور حیاۃ الامام الحسینؑ، جلد ۲، صفحہ ۴۴۴ کے حوالے سے علامہ کورانی تحریر کرتے ہیں کہ:

”ابن زیاد نے کوفہ کے انہی کرنسی کا کاروبار کرنے والوں سے قرضہ لے کر کوفہ کے ممبروں، نمبرداروں، ناظموں، چئیرمینوں، سفید پوشوں اور قبائل کے سرداروں میں اموال کو تقسیم کیا تھا، اس اعتبار سے کوفہ کے سیاسی حالات پر مسیحیوں (عیسائیوں) کا کافی عمل دخل تھا بلکہ ان کا کلیدی کردار تھا، اسی طرح کا کوفہ کی سیاست میں یہودیوں کا بھی عمل دخل تھا“[1]

اِس کے علاوہ یزید کے دربار میں بھی نصرانیوں (عیسائیوں) نے کافی حد تک نفوذ کر لیا تھا جس کے اثرات انقلاب کوفہ اور کربلا میں صاف نظر آتے ہیں۔

یزید کی ماں تو تھی ہی عیسائی لیکن اِس کو دودھ پلانے اور تربیت کرنے کے لئے جس دایہ کا انتظام کیا گیا تھا وہ بھی عیسائی تھی[2] اسی طرح یزید کی تعلیم و تربیت کے لئے جو اتالیق مقرر کیا گیا تھا وہ بھی شام کا عیسائی تھا[3] یزید کا وزیر خزانہ منصور بن سرجون بھی عیسائی تھا[4] یزید کا درباری شاعر ”اَخطل“ بھی عیسائی تھا[5] یزید نے اپنے بیٹے کا اتالیق بھی ایک عیئسائی ہی مقرر کیا تھا[6] اور یزید کا درباری مشیر بھی سرجون نام کا عیسائی تھا[7] کوفہ کے انقلاب کی خبر جب یزید کے کانوں تک پہنچی تو یزید پریشان ہو گیا اور اسی سرجون سے مشورہ کیا اور سرجون نے ابن زیاد کو کوفہ

---

[1] . محراب کربلا، صفحہ ۶۶

[2] . تفسیرِ سیاسی قیام امام حسینؑ، تالیف سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی، صفحہ ۳۲۵، ناشر دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴

[3] . سیرۂ پیشوایان، تالیف استاد مہدی پیشوائی، صفحہ ۱۷۹، ناشر موسسۂ تعلیماتی و تحقیقاتی امام جعفر صادقؑ قم

[4] . استاد مہدی پیشوائی نے اپنی کتاب سیرۂ پیشوایان میں صفحہ ۱۸۰ کے حاشیے پر ’تجارب الامم‘ صفحہ ۱۲۱ اور ۲۹۱ مطبوعہ تہران کے حوالے سے نقل کیا ہے

[5] . سیرۂ پیشوایان، صفحہ ۱۷۹

[6] . سیرۂ پیشوایان، صفحہ ۱۷۹

[7] . تاریخ ابن خلدون، جلد ۲، صفحہ ۷۵، ترجمہ علامہ حکیم حسین احمد الہ آبادی، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی، دسواں ایڈیشن ۱۹۸۶

سونپ دینے کا مشورہ دیا اور سرجون نے یزید کے لئے معاویہ کا خط بھی نکال کر دیا جو اُس نے ابن زیاد کے بارے میں لکھا تھا کہ سرجون اور یزید پر (لازم) ہے کہ کوفہ پر ابن زیاد کو حاکم مقرر کریں[1]

سرجون کے مشورے پر عمل کیا گیا، جس سے کوفہ پر ابن زیاد مسلط ہو گیا اور کربلا برپا ہو گئی!

یہ تھیں وہ چند وجوہات جن کے باعث اہل کوفہ امام حسینؑ کے مقام و مرتبے سے آگاہی کے باوجود آپؑ کے خلاف تلواریں بلند کر رہے تھے جو قیامت تک تمام مسلمانوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

[1]. محراب کربلا، صفحہ ۱۵۹

شب عاشور کی مہلت کی حکمت اور مقاصد

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی

کربلا اور انقلاب حسینی کی تاریخ محتاج تعارف نہیں ہے تاریخ اسلام سے مختصر آشنائی رکھنے والے بھی کربلا کو جانتے ہیں۔ اور اس کی اہمیت اور عظمت کے قائل ہیں۔ تاریخ کربلا کوئی گونگی تاریخ نہیں ہے بلکہ بولتی ہوئی تاریخ ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو خود امام حسین علیہ السلام نے روشن کیا ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم اور معرکۃ الاراء انقلاب ہے کہ جس کے تمام تر جزئیات بھی کتابوں میں موجود ہیں ۔ جس سے بخوبی واقعۂ کربلا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جیسا کہ خود انقلاب کے پہلے ہی دن امام حسینؑ نے اپنے قیام کا مقصد واضح کر دیا کہ یہ کس طرح کا انقلاب ہے اور کیوں ہے؟

آغاز انقلاب کربلا

جس وقت حاکم شام معاویہ بن ابوسفیان اس دنیا سے گیا تو یزید ملعون اسلامی حکومت کا حاکم ہوا یہ دنیائے اسلام کے لئے ایک بہت بڑا المیہ تھا لیکن اس سے بڑا ستم یہ کہ امت کی اکثریت کے کانوں میں جوئیں تک نہ رینگی اور عوام الناس نے بلا تکلف اس فاسق و فاجر کی بیعت کر لی۔ وہ پہلے سے ہی دین سے بے پرواہ اور بدمست تھا حکومت ملنے کے بعد وہ اور جری ہو گیا اور جسارت یہاں تک ہو گئی کہ فرزند نبی سے مطالبہ بیعت کر بیٹھا۔ چنانچہ اس نے والیٔ مدینہ کو اس مضمون کا خط لکھا: "خذ الحسین و عبد الله ابن عمر و عبد الله ابن زبیر اخذا شدیدا لیست فیه رخصة حتی یبایعوا ۔ والسلام" حسینؑ، عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن زبیر سے بیعت لو اور جب تک بیعت نہ کریں کسی قسم کی مہلت و فرصت نہ دینا والسلام۔[1]

یہ لہجہ بتا رہا ہے کہ ارادے کیا ہیں اور بیعت کا مطلب کیا ہے یزید جیسے کی بیعت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا فاتحہ پڑھنا جیسا کہ خود امامؑ فرماتے ہیں" و علی الاسلام السلام اذا بلیت الامة براع مثل یزید "ایسے اسلام کا فاتحہ پڑھ دینا چاہیئے جس کا یزید جیسا حاکم ہو۔[2]

کیونکہ یزید کا فسق و فجور عیاں تھا وہ کھلے عام محرمات کو انجام دے رہا تھا اسلام کی ہر ممنوعہ چیز اس کو پسند تھی اور وہ اسے کھلے عام انجام دیتا تھا قوانین اسلام کی اپنے باپ کے زمانے میں ہی پرواہ نہیں کرتا تھا اب تو آزاد تھا حکومت اسلامی اس کے ہاتھ میں تھی۔

جب حاکم مدینہ نے امام حسینؑ کو دربار میں بلوایا اور یزید کا خط سامنے رکھا اور بیعت کی بات کی تو آپ نے صاف صاف فرق واضح کرتے ہوئے بتا دیا کہ یزید بیعت کے قابل ہی نہیں ہے چنانچہ امام فرماتے ہیں: "انا اهل بیت النبوة و معدن الرسالة و

---

[1]. صحیفۂ شہادت، ص ۲۸

[2]. صحیفۂ شہادت، ص ۳۲

مختلف الملائکه مهبط الرحمه بنا فتح الله و بنا یختم "ہم اہل بیت نبوت ہیں ہم مرکز رسالت ہیں ہمارے یہاں ملائکہ کے آنے کا سلسلہ رہا اور رحمتوں کا نزول ہوا خداوند عالم نے ہم سے ہی شروعات کی اور انتہا بھی ہم ہی سے ہو گی۔[1]

اس کے بعد یزید کے کردار کو بیان فرماتے ہیں "یزید رجل شارب الخمر ،قاتل النفس المحترمه معلن بالفسق " یزید ایک شراب خوار انسان ہے بے گناہوں کا قاتل ہے اور کھلے عام گناہ کرتا ہے۔[2] لہذا: "مثلی لا یبایع مثله " مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ امام نے واضح الفاظ میں یہ بیان فرمادیا کہ ہم کون ہیں اور یزید کون ہے تو بیعت کا تو سوال ہی نہیں ہو تا۔

امام نے یہاں بھی اخلاق اور آداب کا اتنا لحاظ رکھا کہ جب اپنی تعریف کی تو پورے خاندان کا ذکر کیا لیکن جب یزید کی برائی اور حقیقت بیان کی تو صرف اسی کی بات کی پورے خاندان کو نہیں گھسیٹا۔ بلکہ صرف اسے برا کہا۔ ہاں اس سے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ امام نے بنی امیہ کو کلین چٹ دے دی، بلکہ امام نے اپنی اعلی ظرفی کا ثبوت دیا۔ کہ ہم دشمنی میں بھی بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں اور نہ ادب کی حدود کو پار کرتے ہیں۔ لہذا صرف مد مقابل کا تذکرہ کیا "یزید رجل شارب الخمر یزید شراب خوار ہے۔

امام حسینؑ کے اب تک کے بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی بھی زاویہ سے بیعت کا کوئی امکان نہیں تھا بلکہ اب تو اسلام کو بچانا اور سوئی ہوئی اور پژمردہ ہو چکی امت کو جگانا تھا انہیں یہ احساس دلانا تھا کہ تم بے حس اور بے شعور ہو چکے ہو تمہیں حلال و حرام کی تمیز نہیں رہی، تمہیں حق و باطل کو سمجھنے کا شعور ہی نہیں لہذا انہیں بیدار کرنا ضروری تھا ایسا کوئی بڑا اقدم اٹھانا ضروری تھا جس سے قوم بیدار ہو لہذا اپنے بھائی محمد حنفیہ کے جواب میں امام نے یوں خط لکھا اور اپنے پورے قیام کی وجہ بتائی:"

و انی لم اخرج اشرا و لا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما و انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ارید ان آمر بالمعروف و انهی عن المنکر و اسیرا بسیرة جدی و ابی علی ابن ابی طالب فمن قبلنی بقبول الحق فالله اولی بالحق و من رد علی هذا اصبر حتی یقضی الله بینی و بین القوم وهو خیر الحا کمین "[3]

نہ میں خود خواہی کے لئے وطن چھوڑ رہا ہوں اور نہ ہی خوش آیند مستقبل کی جستجو میں نہ شر و فساد کے لئے بلکہ اس سفر سے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اچھائی کی طرف دعوت دوں اور برائی سے روکوں، چاہتا ہوں کہ اپنے جد بزرگوار اور اپنے والد ماجد کے اسوہ حسنہ کو زندہ کروں۔ جس کسی نے اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے میری پیروی کی اس نے راہ حق کو اختیار کیا اور جس کسی نے مجھ سے انحراف کیا تو میں صبر و شکیبائی سے اپنی راہ کی طرف بڑھتا رہوں گا یہاں تک کہ خدا ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے کیونکہ وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

---

[1]. صحیفۂ شہادت، ص ۲۷

[2]. صحیفۂ شہادت، ص ۲۷

[3]. مقتل خوارزمی، ج ا، ص ۱۸۸

یہ امام کا راستہ تھا امت کا حال اور اپنی ذمہ داریوں کو بتایا کہ سنت نبوی اور سیرت مرتضوی نظر انداز ہو چکی ہے جسے دوبارہ سے زندہ کرنا چاہتے ہیں برائیاں عام ہیں اچھائیاں نایاب ہو چکی ہیں انہیں دوبارہ سے اپنی جگہ لانا ہے۔ اپنے اس مشن کا پورا حال بتادیا تو اب سے سے اہم دین ہے۔

شب کی مہلت

اسی طرح امام نے مکہ سے کوفہ والوں کی طرف سے مسلسل اصرار اور خطوط کی آمد کی وجہ سے اپنے بھائی مسلم کو کوفہ بھیجا حالات کا جائزہ لینے اور مکہ کے کو غیر محوس سمجھتے ہوئے ترک کیا یہاں تک کہ راستہ میں حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی اور امام دوسری محرم کو کربلا پہنچ گئے۔

کربلا میں ورود کے بعد عمر بن سعد سے مسلسل گفتگو کا سلسلہ جاری رہا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس لئے کہ عمر سعد چاہتا تھا کہ امام بیعت کر لیں اور جنگ ٹل جائے امام کسی بھی صورت بیعت کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ امام سب کو بیدار کرنا چاہتے تھے تاکہ امت مسلمہ بیعت فاسق کا طوق اتار پھینکیں لیکن جب دنیا اور اس کا حصول عقلوں پر حاوی ہو جاتا ہے تو امام کی باتیں بھی اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔

آخری خط

جب ابن زیاد کو یہ خبریں ملی کہ عمر سعد جنگ کو ٹال رہا ہے اور امام حسینؑ بیعت کے لئے کسی بھی طرح آمادہ نہیں ہیں تو اس نے ایک آخری خط لکھا جو کربلا میں نو محرم عصر کے وقت عمر سعد کے پاس پہنچا جس کا مضمون تھا کہ یہ خط ملتے ہی یا تو امام حسینؑ سے بیعت لے یا پھر جنگ شروع کردے۔ خط ملتے ہی پوری یزیدی فوج حرکت میں آگئی اور چاروں طرف سے خیام امام حسینؑ کی جانب پیش قدمی شروع کردی۔ ادھر جب امام کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عباسؑ کو اپنے پاس طلب فرما کر فرمایا:

" ارکب بنفسی انت یا اخی حتی تلقاهم فتقول لهم مالکم و ما بدالکم و تسئلهم عما جاء بهم ؟ اے بھائی آپ خود جائیں اور دشمنوں سے دریافت کریں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔'جب حضرت عباس لشکر کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو تو یزیدی لشکر نے جواب دیا: ابن زیاد کا خط آیا ہے کہ یا تو ابھی بیعت کریں یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔[2]

حضرت عباس نے ان سب کو روکا اور امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دشمنوں کے مقصد سے آگاہ کیا۔ امام نے فرمایا:

"ارجع الیهم فان استطعت ان توخرهم الی غدوة و تدفعهم عنا العشیة نصلی لربنا اللیلة و ندعوه و نستغفره فهو یعلم انی احب الصلاة و تلاوة کتابه و کثرة الدعاء و الاستغفار "[3] جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ اگر ممکن ہو تو جنگ کو کل پر ملتوی کریں تاکہ ہم لوگ آج رات اپنے نماز و تلاوت کر سکیں اور اپنے رب سے استغفار اور مناجاتیں کر سکیں

---

[1]. تاریخ طبری، ج ۷، ص ۳۱۶

[2]. صحیفہ شہادت، ص ۱۴۴

[3]. تاریخ طبری، ج ۷، ص ۳۱۶

نمازیں پڑھ سکیں کیونکہ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن، استغفار اور مناجات سے شدید انس و لگاؤ ہے۔ حضرت عباس دوبارہ گئے اور امام کا پیغام ان لوگوں کو دیا جس پر انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے مہلت دے دی۔

مہلت کے مقاصد

رہتی دنیا تک کے لئے یہ پیغام دینا تھا کہ حسینؑ جنگ نہیں چاہتے حتی الامکان جنگ سے گریز کر رہے ہیں اور دوسری طرف بڑھتی ہوئی فوجیں وہ بھی عصر کے وقت اس بات کی عکاسی کر رہی ہیں کہ دشمن ہر طرح کے حربہ استعمال کر سکتا ہے وہ ظلم ڈھانے میں کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔

بڑھتی ہوئی فوج کو یہ کہہ کر روکنا کہ ہم عبادت کریں گے، نماز و تلاوت و دعا و استغفار کریں گے۔ امام عالی مقام کی طرف سے اعلان ہے کہ ہم کسی بھی دنیوی مقصد کے لئے نہیں نکلے ہیں اگر مقصد حصول دنیا ہوتا تو تیاریاں جنگ کی ہوتیں لیکن مصلائے عبادت دراز کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رضائے پروردگار کی سعی ہے۔ جس کی عصر عاشور ببانگ دہل منادی دی گئی "یا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً"[1] کی شکل میں۔ جو خود معراج بندگی کی سند اور رضائے الٰہی کا اقرار تھا۔

تاریخ نویسوں کو یہ پیغام دیا کہ جب بھی کربلا کی تاریخ لکھیں یہ ضرور لکھیں کہ یزیدی جنگ کے لئے کوشاں تھے اور حسینؑ رضائے الٰہی کے لئے وہ جنگ چاہتے تھے اور یہ امن کے خواہاں تھے۔

اس ایک شب کی مہلت سے نماز و تلاوت قرآن اور دعا و مناجات کی اہمیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ چیزیں امام کے نزدیک کتنی اہمیت و عظمت کی حامل تھیں اسی لئے مہلت مانگی۔

انقلاب حسینی کا مقصد ہی یہی تھا کہ نماز و قرآن کو نئی زندگی ملے شعار الٰہی میں تبدیلی نہ آنے پائے پژمردہ ہوچکی شریعت میں حیات تازہ آئے اور عبادت الٰہی کی اہمیت پھر سے ظاہر ہو جائے اور بعد والوں کے لئے مشعل راہ ہو سکے اسی لئے ہم امام کی زیارت میں یہ جملہ پڑھتے ہیں "اشهد انك قد اقمت الصلاة"[2] ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے نماز کو قائم کیا۔

یہی مقصد تھا کہ اگر اب تک کسی کو قیام حسینی اور انقلاب سید الشہداء کی اہمیت اور ضرورت نہ سمجھ میں آئی ہو تو اب آجائے کہ جو امام نے پہلے دن فرمایا تھا کہ میرے قیام کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ میں سیرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ اور سیرت علی مرتضی علیہ السلام کو زندہ کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ یہ اس کی تصدیق و تائید ہے۔

مہلت کی حکمتیں

---

[1]. سورہ الفجر، آیت ۲۸،۲۷

[2]. زیارت وارثہ

ایک طرف عبادت الٰہی مقصد اصلی تھا جس میں خود امام حسینؑ سے لے کر تمام اعزاء و اقرباء و برادر و اصحاب و انصار یہاں تک کہ خواتین و بچے بھی شامل تھے وہیں کچھ دوسرے اہم نکات بھی واضح کرتا تھے۔ جو اس سے پہلے ممکن نہ تھا گویا آتی ہوئی موت کو امام نے کچھ دیر کے لئے روکا اور سب پر واضح کر دیا کہ یہ زندگی کی آخری شام ہے۔

یقینی موت

امام معصومؑ اور آپ کے اعزاء تو علم امامت اور اپنی بصیرت کی وجہ سے یقینی موت کا علم رکھتے تھے لیکن دوسروں کے لئے، ساتھیوں کے لئے اور بعد کے قلمکاروں کے لئے اور یزید سے ہمدردی رکھنے والوں کے لئے بات بنانے کا موقع تھا کہ اصحاب حسینی کا کمال کیا وہ تو اتفاقی حملہ اور جنگ کی وجہ سے شہید ہو گئے۔

دوسری طرف امام کو بھی حجت تمام کرنا تھی کیونکہ اب تک دوسروں کے لئے ایک امکان تھا کہ شاید جنگ نہ ہو، شاید کوئی راستہ نکلے، لیکن نویں محرم کو عصر کے وقت یزیدی فوج کی غیر متوقع پیش قدمی نے سارے امکانا اور قیاس آرائیوں کو ختم کر کے جنگ و شہادت کو یقینی بنا دیا۔ اب امام کے لئے حجت تمام کرنا اور اپنے جانثاروں کے کمال اطاعت کو پوری دنیا پر اجاگر کرنا تھا۔ جو اس سے پہلے ممکن نہ تھا دوسری طرف تاریخی بہانوں کو بھی ختم کرنا تھا۔

اور عبادت کی اہمیت، کردار کی بلندی، عظمت نماز، شان تلاوت قرآن، معراج بندگی، اطاعت امام اور الٰہی مقصد میں ڈٹے رہنے والوں کی کامیابی کی شب تھی۔

اصحاب پر حجت تمام کرنا

جب سب کو معلوم ہو گیا کہ موت یقینی ہے پھر بھی اصحاب حسینیؑ نے امام کی ہمراہی میں مصلائے عبادت بچھا کر عبادت شروع کی اس وقت امام نے تاریخی خطبہ دیا۔ جس میں خدا کی حمد و ثناء کے بعد خاندان رسالت اور مرکز نبوت ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا پھر فرمایا: "میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب نہیں دیکھے اور اپنے خانوادہ سے زیادہ باوفا و ہمدرد گھرانہ میری نظر سے نہیں گزرا خدا تم سب کو جزائے خیر دے مجھے میرے نانا نے خبر دی ہے کہ میں کربلا اور عمورہ نامی جگہ پر شہید کیا جاؤں گا میری شہادت کا وقت آچکا ہے کل ہی دشمن آغاز جنگ کریں گے تم آزاد ہو تاریکی شب میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لو اور چلے جاؤ کیونکہ لشکر یزید کو صرف مجھ سے سروکار ہے اگر تم نے میری حمایت سے ہاتھ روک لیا تو پھر انہیں تم سے کوئی غرض نہ ہو گی۔ خدا تم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔"

اس موقع پر حضرت نے صاف اور واضح الفاظ میں اپنی شہادت کی خبر دی اور سب کو جانے کا آخری موقع بھی دیا یعنی اپنی بیعت بھی سب سے اٹھا کر سب کو آزاد کر دیا لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت کے بیان کے بعد چھوڑ کر جانے کے بجائے سب نے بھرپور طریقہ سے اظہار عقیدت کیا اور آپ کے بغیر زندگی کو ننگ و عار سے تعبیر کیا اور اصحاب و اقرباء کے ہر فرد نے پامردی و بہادری کے ساتھ حضرت کو اپنی وفاداری، جذبۂ نصرت، پائیداری اور استقامت کا یقین دیالا۔

اس موقع پر ہم کچھ جانثاروں کے بیان کو پیش کر رہے ہیں

حضرت عباس کا بیان

"لا ارنا اللہ ذلك ابدا "میرے سید و سردار خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر کسی شہر کی طرف چلے جائیں۔ علمدار حسینؑ کے بعد بنی ہاشم کے ایک ایک فرد نے اپنے عقیدہ کا اظہار اسی طرح کیا اور آخری دم تک حمایت کا یقین دلایا۔[1]

جناب مسلم کے بھائیوں کو بھی امام نے آزادی دے دی اور کہا کہ مسلم کی شہادت کافی ہے تم تو چلے جاؤ لیکن وہ بھی امام کی حمایت سے دستبر دار نہیں ہوئے۔

جناب مسلم بن عوسجہ کا بیان

آقا کیونکر ممکن ہے کہ ہم آپؑ کی نصرت سے ہاتھ روک لیں خدا کو کیا جواب دیں گے خدا کی قسم آپ کے قدموں سے جدا نہیں ہو ں گے جب تک اپنے نیزوں سے آپ کے دشمنوں کا سینہ چھلنی نہ کر دیں اور اپنی تلواروں سے ان پر ٹوٹ نہ پڑیں اگر ہمارے پاس نیزہ و شمشیر نہ بھی ہو تو ہم پتھروں سے جنگ کرتے ہوئے جان کا نذرانہ حضرت احدیت کی خدمت میں پیش کر دیتے۔[2]

سعد بن عبد اللہ نے یوں کہا

آپ کی نصرت و حمایت سے دست بردار نہیں ہوں گا آپ کی نصرت کر کے خداوند عالم کی بارگاہ میں کہہ سکتا ہوں کہ تیرے نبی کے حق کا خیال رکھا خدا کی قسم اگر ستر بار قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں تب بھی آپ کی نصرت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔[3]

اس طرح تقاریر کا سلسلہ جاری رہا اور ہر ایک نے فرداً فرداً اپنی حمایت اور جانثاری کا اظہار برملا کیا۔ جو شب عاشور کی خصوصیت تھی۔ جیسے جیسے موت قریب ہو رہی تھی جوش شہادت اور ولولہ نصرت امام میں اضافہ ہو رہا تھا۔

یہ شب عاشور کی حکمتیں اور مقاصد تھے جو قیام حسینؑ کے کمال کو روشن کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ وہ کچھ بھی اتفاقی یا حادثاتی نہیں تھا بلکہ سب کچھ علم و اختیار کے ساتھ تھا اور کمال تھا کہ موت کے یقین کے بعد بھی جان بچانے کا خیال کسی کو بھی نہ تھا بلکہ سب صرف امامت کی اطاعت اور خدا کی بندگی میں مصروف تھے۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شب عاشور کی مہلت جان بچانے کے لئے نہیں تھی بلکہ اپنے مقصد اور مشن کو نکھارنے اور اپنے جانثاروں کے کمال کردار اور اخلاص عمل کا برملا اعلان تھا

خداوند عالم ہم سب کو جذبۂ اصحاب حسینؑ عطا فرمائے اور ہمیں امام کے سچے اور پکے پیروکاروں میں ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

---

[1]. صحیفۂ شہادت، ص ۱۴۷

[2]. صحیفۂ شہادت، ص ۱۴۸

[3]. صحیفۂ شہادت، ص ۱۴۸

عالمی نہضتوں پر انقلاب حسینی کی تاثیر

ظہور مہدی مولائی

خداوند قادر و متعال کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ دین اسلام کے عظیم الشان ظہور کے بعد حسینی قیام و انقلاب، تاریخ کی ایک ایسی وقیع و موثر روداد اور تحریک کی شکل میں رونما ہوا ہے کہ جس کے غیر معمولی آثار و برکات نے ہر دور اور زمانہ کو متاثر کیا ہے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت اس کی یہ تاثیر باقی رہے گی۔

حسینی قیام و انقلاب در حقیقت دین و شریعت، حق و صداقت، ایمان و شجاعت، حریت و استقامت، عزت و کرامت، غیرت و صلابت اور انسانی ہدایت و سعادت کا ایسا جلتا ہوا چراغ ہے کہ جس کا نور صرف اہل اسلام و ایمان ہی نہیں بلکہ تمام آزاد انسانوں کو فیضیاب کرنے اور ساری دنیا میں ظلم و ستم اور استعمار و استحصال کے خلاف برپا ہونے والی نہضتوں اور تحریکوں کو صحیح سمت و سو اور ضروری و لازمی حرارت و ہدایت دینے کی پوری قوت و قدرت رکھتا ہے۔

الحمد للہ حسینی قیام و انقلاب کے لافانی آثار و برکات سے بہت سی عالمی نہضتوں اور تحریکوں نے بخوبی الہام حاصل کیا ہے، جن میں سے بعض معاصر نہضتوں کا مختصر ذکر بعنوان نمونہ، ذیل میں کیا جارہا ہے :

۱۔ ایران کا عظیم اسلامی انقلاب :

بلاشبہ حسینی انقلاب دس محرم سن اکسٹھ ہجری میں کربلا عراق کی سرزمین پر ظلم و ستم، خیانت و ضلالت اور نفاق و باطل کے خلاف رونما ہونے والا تاریخ انسانیت کا وہ حرارت و ولولہ انگیز لافانی قیام ہے کہ جس کا اصلاحی و تعمیری سفر بلاوقفہ تیز رفتاری کے ساتھ مسلسل جاری و ساری ہے اور وہ تمام عالم انسانیت کے کروڑوں لوگوں کے قلب و دل میں آگاہی و بیداری کی روح پھونکتے ہوئے جغرافیائی و اعتقادی سرحدوں سے عبور کر چکا ہے۔

جس کے شواہد آج ساری دنیا میں ہمارے لئے بآسانی قابل مشاہدہ ہیں۔

خود اس صدی کا طاقتور اسلامی انقلاب جو ایران کی سرزمین پر رونما ہوا ہے، اس کی ایجاد و تشکیل اور پر شکوہ کامیابی " حسینی قیام " کی مرہون منت ہے۔

جس کا اظہار و اعلان اس عظیم اسلامی انقلاب کے بانی حضرت آیت اللہ روح اللہ الموسوی الخمینی علیہ الرحمہ نے کھل کر اپنے بیانات میں فرمایا ہے۔

بانیٔ انقلاب اس اسلامی انقلاب کی کامیابی کا سہرا انقلاب حسینی اور قیام عاشورا کے سر باندھتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں کہ:

ایران کا اسلامی انقلاب، عاشورا اور اس عظیم الٰہی انقلاب کا ایک جلوہ ہے۔[1]

امام خمینی علیہ الرحمہ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی و سرفرازی ہی کو نہیں بلکہ دین اسلام کی بقا و حیات کو بھی حسینی انقلاب و قیام کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

محرم و صفر ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام زندہ ہے، یہ سید الشہداء سلام اللہ علیہ کی فداکاری ہے جس نے ہمارے لئے اسلام کو زندہ اور باقی رکھا ہے۔[2]

۲۔ انگریزی استعمار و استبداد کے خلاف اہل ہند کا قیام و انقلاب :

حضرت امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کے قیام نے آزادئ ہند کی تحریک میں بھی ایک اہم رول ادا کیا ہے، جس کا اندازہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے رہبر مہاتما گاندھی کے بیان سے بخوبی ہوتا ہے، وہ اہل ہند سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

میں تمھارے لئے کوئی نئی چیز لے کر نہیں آیا ہوں، بلکہ میں تمھارے لئے وہی چیز لے کر آیا ہوں، جس کا میں نے امام حسینؑ کے (حالات میں) مطالعہ کیا ہے، پس اگر ہندوستان کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسے امام حسینؑ کے راستہ پر چلنا ہوگا۔[3]

اسی طرح ہندوستان کی آزادی کے بعد اس ملک کے سب سے پہلے معروف و موثر وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے اظہار کیا ہے کہ:

سب کو چاہیئے کہ امام حسینؑ کو اپنا آئیڈیل قرار دیں، چونکہ امام حسینؑ ایک ایسے عظیم مکتب کا نام ہے جو سب کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔[4]

۳۔ غاصب و ظالم اسرائیلی جعلی حکومت کے خلاف اہل فلسطین کی تحریک مزاحمت و مقاومت:

---

[1] . صحیفہ امام، ج۱۷، ص ۴۸۲۔

[2] . صحیفہ امام، ج۱۵، ص۳۳۰۔

[3] . مہاتما گاندھی، علی ابوالحسنی (منذر)، ص۳۰۵.

[4] . خبرگزاری جمہوری اسلامی، مکتب امامت حاج قاسم پرور است/ تاثیرپذیری انقلاب هند از قیام حسینی، تاریخ انتشار: ۱۴شہریور ۱۴۰۲۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سفاک و خونریز ناجائز اسرائیلی حکومت کے خلاف فلسطینی مسلمانوں کی طولانی مدت سے جاری و ساری مزاحمت و مقاومت "حسینی قیام و انقلاب" سے مسلسل الہام و انسلاک کا نتیجہ ہے، وہی عظیم انقلاب ہے جو وسائل و ذرائع کی شدید قلت اور بکثرت قربانیوں اور بے سروسامانیوں کے باوجود اس مظلوم ملت کی آس، امید اور قوت و طاقت بنا ہوا ہے۔

چنانچہ فلسطین کی "جہاد اسلامی تحریک" کے نمائندہ "ناصر ابو شریف" نے فلسطینی مسلمانوں کی امام حسین علیہ السلام سے محبت و عقیدت بیان کرنے کے بعد بصد فخریہ اعتراف و اظہار کیا ہے کہ:

امام حسین، اسلامی امت خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی سب کے سید الشہداء ہیں، ان کی شہادت کا مقصد، اصلاح تھا۔

تمام مجاہدین، اہل مقاومت اور اصلاح طلب افراد انھیں کے راستہ کی پیروی کرتے ہیں۔۔۔۔۔

جہاد اسلامی تحریک کے اندر جتنے بھی جنگجو اور مجاہدین ہیں وہ سب جہادی کارروائیوں کی شروعات امام حسین کے نام کی اقتدا کے ساتھ کرتے ہیں۔

جنین کے علاقہ میں پہلے وہ افراد جنھوں نے شہادت طلبانہ کارروائیوں کی طرف رخ کیا، ان کا نام "عاشقان شہادت" تھا اور امام حسین ان کے مقتدا اور آئیڈیل تھے[1]۔

۴۔ اہل یمن کی تحریک مقاومت :

یمن کی انصار اللہ نامی تحریک نے داخلی ظالمانہ عناصر اور امریکی و سعودی ظلم و استبداد سے جو ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور اپنی باشکوہ شہامت و استقامت اور شجاعت و مجاہدت سے جو ان تمام ظالمانہ قوتوں پر غلبہ حاصل کیا ہے، وہ بلا شک و شبہ "حسینی قیام و انقلاب" سے درس و اثر لینے کا نتیجہ ہے۔

جس کا اظہار انصار اللہ کے متعدد اراکین و مجاہدین نے باقاعدہ کیا ہے، جن میں سے سر دست ہم فقط ایک مجاہد (یمن کے زیارتی قافلہ کے نمائندہ) کا بیان یہاں نقل کر رہے ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ:

یمن کے لوگوں کی مقاومت کا اصل سرچشمہ "اربعین حسینی" ہے۔

یمن کے لوگ اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اللہ، رسول اور اہل بیت کی راہ میں قدم اٹھا رہے ہیں۔

---

[1] ۔خبرگزاری بین المللی قرآن، قیام امام حسین الگوی مبارزات مردم فلسطین است، کد خبر: ۴۰۸۱۲۴۱، تاریخ انتشار: ۲۶ شهریور ۱۴۰۱۔

اربعین کا سفر اہل یمن کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، چونکہ وہ امام حسین اور ان کے اہل بیت کو دل سے دوست رکھتے ہیں[1]۔

یہ تھے عالمی نہضتوں پر انقلاب حسینی کی تاثیر کے چند نمونے، جو "مشتی از خروار" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چونکہ اس مقالہ کی بنا اختصار پر ہے، اس لئے اسے یہیں پر اس اہم دعا کے ساتھ ختم کیا جارہا ہے:

اللهم انا نرغب اليك فی دولة كريمة، تعز بها الاسلام واهله و تذل بها النفاق و اهله و تجعلنا فيها من الدعاة الی طاعتك والقادة الی سبيلك و ترزقنا بها كرامة الدنيا والآخرة بجاه نبيك وعترته الطاهرة

آمین۔

تاقیامت ذکر سے روشن رہے گی یہ زمیں

ظلمتوں کی شام میں اک روشنی ہے کربلا

نزہت عباسی

[1]. خبرگزاری مہر، اصل مقاومت مردم یمن از اربعین وقیام امام حسین سرچشمہ می گیرد، تاریخ انتشار: ۲۰ شہریور ۱۳۹۸۔

امام حسینؑ پر کس قسم کا رونا باعث ثواب ہے

سید مختار حسین جعفری

امام حسین علیہ السلام پر کس قسم کا رونا باعث ثواب ہے یہ ایک اہم ترین سوال ہے جس کے ضمن میں ایک تحریر اور مقالہ کی ضرورت تھی ہم اپنے مقالہ کا آغاز امام صادق علیہ السلام کی اس روایت سے کر رہے ہیں ان شاء اللہ امید ہے قارئین مقالہ کے اختتام تک مذکوہ سوال کے جواب سے آگاہ ہوجائیں گے۔

عن ابی عبد اللہ ع قال؛ قال لفضیل تجلسون و تحدثون قال نعم جعلت فداك قال ان تلك المجالس احبها فاحیوا امرنا یا فضیل فرحم اللہ من احیا امرنا ،یا فضیل من ذکرنا او ذکرنا عندہ فخرج من عینہ مثل جناح الذباب غفر اللہ لہ ذنوبہ ولو کانت اکثر من زبد البحر (بحار، ثواب البکاء علی مصیبتہ ح ۱۵)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا، کیا تم لوگ مل بیٹھتے ہو اور آپس میں باتیں کرتے ہو، عرض کی؛ جی ہاں، میں آپ پر قربان، فرمایا ان مجالس کو میں پسند کرتا ہوں، اے فضیل تم لوگ ہمارے امر کو زندہ کیا کرو، اللہ کی رحمت ہو اس پر جو ہمارے امر کو زندہ کرے، اے فضیل جو شخص ہمارا تذکرہ کرے یا اس کے سامنے ہمارا تذکرہ کیا جائے اور اس کی آنکھ سے مکھی کے پر کے برابر آنسو نکل آئے تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا چاہے وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں.

موضوع؛ امام حسینؑ پر کس قسم کا گریہ کرنا باعث ثواب ہے؟

گریہ انسان کی فطرت میں شامل ہے اور یہ زندہ ہونے کی علامت ہے، کوئی نومولود دنیا میں آنے کے بعد اگر گریہ نہ کرے تو اس کی زندگی مشکوک ہوجاتی ہے یا بعض مواقع پر اس کو بدشگونی کی نشانی سمجھا جاتا ہے، بچہ اگر دنیا میں قدم رکھتے ہی گریہ کرے تو خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور خدا کا شکر ادا کیا جاتا ہے کہ بچہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ ٹھیک ٹھاک ہے اس لیے کہ اس نے گریہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرف المخلوقات کی زندگی اور سلامتی کی پہلی دلیل گریہ ہے، اس گریے کو فطری اور غیر شعوری گریہ کہتے ہیں۔

جہاں تک گریے کی تقسیم بندی کا سوال ہے تو اسے کئی طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، عمدی گریہ اور غیر عمدی گریہ، یعنی کبھی انسان روتا ہے لیکن کبھی اس کو رونا آجاتا ہے،

دوسری تقسیم، شعوری گریہ اور غیر شعوری گریہ یا عقلائی گریہ اور غیر عقلائی گریہ،

اگر رونا آجائے تو یہ فطرت، عقل اور شعور کی سلامتی کی علامت ہے اور اگر رونا نہ آئے تو انسان کو اپنے بارے میں سوچنا پڑے گا کہ اس مشین کے کچھ پرزے خدا ناخواستہ خراب تو نہیں ہو گئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اوضاع و حالات کے تقاضوں کے مطابق جس انسان کو رونا آنا چاہیے اس کو رونا نہ آئے تو اس انسان کی سالمیت، فطرت اور شعوری کیفیت پر شک کیا جائے گا اور سب لوگ یہ مشورہ دیں گے کہ اسے کسی ماہر طبیب کو دکھایا جائے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جتنی اہمیت انسان کی زندگی میں رونے کی ہے اتنی ہنسنے کی نہیں ہے، اگر کوئی زیادہ روتا ہے تو اس کے بارے میں چہ میگوئیاں نہیں ہوتیں لیکن اگر کوئی زیادہ ہنستا ہے تو اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگتی ہیں، خلاصہ یہ کہ جس مخلوق کا نام انسان ہے اس کے لیے رونا ضروری ہے اور زندگی کی علامت ہے۔

عنصر گریہ کا تعلق انسانوں سے بھی ہے اور حیوانوں سے بھی اور اگر اس کو خالق یا یوں کہوں کہ عالم تکوین کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جائے تو شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی مخلوق ہو جو گریہ نہ کرتی ہو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم** ،کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ پڑھتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ پاتے، خالق کی تسبیح جب انسان کرتا ہے تو اس میں گریے کا عنصر چار چاند لگا دیتا ہے اور وہ مطلوب پروردگار ہے اور انسان کی لطافت طبع کا عکاس ہے، وہی تسبیح اگر دیگر مخلوقات کی زبان حال پر جاری ہو تو اس میں گریے کی لطیف کیفیت کا ہونا تکوینی طور پر اس کی ذات کا جزو لاینفک ہے چونکہ یہ اس مخلوق کی طبیعت کی انکساری کی علامت ہے جو خود خالق نے اس کے اندر رکھی ہے، قرآن مجید میں ضحک قلیل اور بکاء کثیر کو مطلوبہ کیفیت قرار دیا گیا ہے،

فما بکت علیھم السماء والارض، ان پر آسمان اور زمین نہیں روئے، اس سے دو باتیں منکشف ہوتی ہیں ایک یہ کہ آسمان و زمین روتے ہیں، جو گریے کے عمومی اور ہمہ گیر ہونے کی علامت ہے، یعنی جب آسمان اور زمین روتے ہیں تو کائنات کی ہر چیز روتی ہے ،اور دوسری بات جو اس آیت سے سامنے آتی ہے وہ اس کا مفہوم ہے یعنی کچھ لوگوں پر آسمان و زمین نہیں روئے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ لوگوں پر آسمان و زمین روئے، تو اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کربلا میں جب امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت ہو گئی تو آسمان و زمین میں موجود ہر شیء نے ان پر گریہ کیا، واضح رہے کہ کائنات اللہ کے تکوینی اشاروں پر چلتی ہے تو نواسہء رسول اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر رونا بھی قدرت کے تکوینی اشارے سے تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیہ کریمہ گریے کے انتہائی پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے

گریے کی ایک تقسیم روحانی اور جسمانی گریہ ہے، جسمانی گریے میں ظاہری بیتابی اور بے چینی کے ساتھ آواز بھی ہوتی ہے اور آنسو بھی ہوتے ہیں، جو روحانی گریے میں بالکل بھی قابل مشاہدہ نہیں ہیں، زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہاں ایک باریکی کی طرف اشارہ کر دوں کہ جسمانی

گریے کے مظاہر آواز اور آنسو ہیں لیکن کیا یہ واقعی گریے کی نشانی ہیں ؟اس کا تعلق رونے والے کی نیت اور اس کے مقصد سے ہے، اگر کسی کی نیت نیک اور اس کا مقصد اچھا ہے تو وہ ایک واقعی گریہ ہوسکتا ہے، یا یہ کہ رونے والا خود صاحب مصیبت ہے یا صاحب مصیبت نہیں ہے، اگر مصیبت زدہ خود اپنی مصیبت پر روئے تو گریہ واقعی ہوگا، لیکن وہ مطلوب ہے یا مطلوب نہیں یہ ایک الگ داستان ہے، اور اگر کوئی دوسرے کی مصیبت پر روئے تو ممکن ہے کہ وہ واقعی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دکھاوا ہو، مطلب یہ ہوا کہ آواز اور آنسو ہمیشہ واقعی گریے کی عکاسی نہیں کرتے، یہ جسمانی گریے کی بات تھی، جہاں تک روحانی گریے کا سوال ہے تو اس میں آواز اور آنسو شرط نہیں ہیں بلکہ اس کا اظہار بھی ضروری نہیں ہے، ممکن ہے چہرہ منبسط ہو مگر اندر طوفان برپا ہو، جو کسی کو نظر نہ آرہا ہو، چونکہ خود رونے والا نہیں چاہتا کہ اس کا گریہ کسی کو دکھائی دے بلکہ وہ اس معاملے کو اپنے اور خدا کے درمیان رکھنا چاہتا ہے، بظاہر زیادہ مطلوب یہی گریہ ہے۔

گریے کی تقسیمات اور اس کے اقسام کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن اس مختصر میں ہمارا مقصد سب کا احصاء نہیں ہے، بلکہ کچھ منتخب اور بڑی تقسیمات کو بیان کرکے اپنے مضمون کے موضوع کی طرف آنا ہے، چنانچہ اس کی ایک اہم تقسیم عرفانی گریہ اور غیر عرفانی گریہ ہے، یا یوں کہا جائے کہ معرفت کی بنیاد پر گریہ اور بغیر معرفت کا گریہ، حدیث میں آیا ہے **من بکی علی الحسین عارفا بحقه وجبت له الجنة**، جو شخص امام حسینؑ پر روئے اور ان کے حق کی معرفت رکھتا ہو اس کے لیے جنت واجب ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس گریے میں معرفت نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے،

امام حسینؑ پر گریے کی تشویق و ترغیب اور اس پر بیشمار ثواب کے سلسلے میں جتنی حدیثیں بھی ہیں وہ عام اور مطلق ہیں، یعنی ان میں عام گریے کی بات کہی گئی ہے، لیکن اس پر کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے ، مگر اس حدیث میں قید لگائی گئی ہے جو ایک خاص نوعیت کے گریے کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق رونا مطلوب نہیں ہے بلکہ معرفت کے ساتھ رونا مطلوب ہے یعنی اگر کسی کے اندر امام حسینؑ کے حق کی معرفت نہ ہو اور وہ روتا رہے تو رونے کا مطلوبہ فائدہ اس کو حاصل ہونا مشکل ہے، چونکہ اس رونے میں اور عام حالات میں رونے میں کوئی فرق نہیں ہوگا، انسانی فطرت میں جو رقت قلبی ہوتی ہے وہ اسے ہر حادثے پر رونے پر مجبور کردیتی ہے، جب کہ امام حسینؑ اور دیگر معصومینؑ کے لیے گریہ عام نوعیت کا اور رقت قلبی کا تقاضا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا گریہ ہے جس میں ارادہ شامل ہے جو کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے، یہ گریہ عبادت ہے، تبلیغ ہے پیغام رسانی ہے اور انسان کو مقصد امام حسینؑ کے قریب کرنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے پر عزم و ہمت دیتا ہے، یہ گریہ انسان کو کمزور اور بزدل بنانے کے بجائے مضبوط اور باہمت بناتا ہے اور صدیوں سے انسانوں کے اندر بڑے بڑے مصائب و آلام سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کرتا رہا ہے،

شاید یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہر طرح کے گریے اور زاری کو مکروہ قرار دیا گیا مگر حسینؑ پر گریہ نہ صرف یہ کہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مطلوب مستحب اور کبھی کبھی واجب بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں؛ کل الجزع والبکاء مکروہ سوی الجزع والبکاء علی الحسین علیہ السلام، ہر جزع و بکاء مکروہ ہے سوائے امام حسین علیہ السلام پر جزع و بکا کے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت اور ان پر ڈھائے جانے والے مصائب کو بظاہر صدیاں گذر چکی ہیں لیکن واقعے کی نوعیت اہمیت اور اس کے مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے آج بھی کربلا کے مظلوموں پر اسی شدت کے ساتھ گریہ قرآن و حدیث اقوال معصومین اور عقل و فطرت کی روشنی میں نہ صرف جائز اور مطلوب ہے بلکہ مستحسن ہے اور مستحب ہے، بعض اوقات واجب ہے اور مکتب حسینؑ اور انسانی شرافت و تہذیب اور الہی قدروں کی بقا کی ضمانت ہے، اور امام حسینؑ پر وہی گریہ باعث ثواب ہے جس میں گریے کی اصلیت فطرت طہارت اور قداست کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کے حق کی معرفت اور ان کے مقصد کے احیاء و بقاء کا عنصر شامل ہو چنانچہ اپنی مجالس میں ہمیں گریے کی کمیت کے بجائے کیفیت پر زور دینا چاہیے، اور ذاکرین اور مرثیہ خوانوں کو شہدائے کربلا و امام حسینؑ کے حق کی معرفت کرانا چاہیے اور فضائل و مصائب دونوں میں گریہ کرنے والوں کو حسینؑ کے مقصد سے آشنا کرنا چاہیے پروردگار عالم سب کو ایسا ہی گریہ کرنے کی توف یق عطا فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الھدی

یاد رکھیئے! فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسینؑ پر وہی گریہ باعثِ ثواب ہے جس میں گریے کی اصلیت فطرت طہارت اور قداست کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کے حق کی معرفت اور ان کے مقصد کے احیاء و بقاء کا عنصر شامل ہو۔۔۔۔

کربلا اور اہمیت نماز

سید منظور عالم جعفری سرسوی

مقدمہ

عبادت و بندگی، یہ ایسے الفاظ ہیں جو اپنے اندر ایسے بہت سے مفاہیم کو سمیٹے ہوئے ہیں جو خداوند عالم کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ہیں ، بلکہ یوں کہا جائے کہ انسان اگر اپنے تمام جائز و مباح کاموں کو پروردگار کی خوشنودی کے لیئے انجام دے تو اس کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر فعل و عمل عبادت قرار پائے گا۔ لیکن جب بھی لفظ عبادت اور بندگی کا استعمال ہوتا ہے تو انسان کے ذہن میں سب سے پہلے جو چیز متبادر ہوتی ہے وہ نماز ہے، یقینا نماز بہت ہی اہمیت، فضیلت اور کمال کی حامل ہے کیونکہ یہی وہ عبادت ہے جو دین کا ستون قرار پائی، جس نے معراج مومن کا درجہ پایا، جو اللہ اور بندہ کے درمیان بہترین وسیلہ تقرب ہے،اور مرنے کے بعد فروع دین میں سب سے پہلا سوال نماز کے ہی متعلق ہوگا، یہی وہ بندگی کا ذریعہ ہے جو اگر بارگاہ خداوند کریم میں قبول ہوگئی تو دیگر عبادتیں بھی قبولیت کی منزل تک پہونچ جائینگی اور اگر یہ رد کر دی گئی تو دیگر عبادات بھی رد کردی جائینگی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے بارے میں بہت سی کتابیں اور مقالات لکھے گئے ہیں اور ہر ایک نے اس عظیم تحریک کے کسی نہ کسی پہلو اور گوشے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن زیادہ تر تحریریں شجاعت امام حسینؑ اور بنی امیہ کے ظالمانہ او غصبی نظام، اور کوفہ کے لوگوں کی بے وفائی اور ان کی بغاوت کے بارے میں تحریر کی گئی ہیں، لیکن امام حسینؑ کے قیام کے ثقافتی پہلوؤں پر کم توجہ دی گئی ہے۔ عاشورہ کی مقدس تحریک کا ایک اہم مظہر نماز کو اہمیت دینا ہے۔

اگر ہم امام حسین علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے صرف آخری دس دن پر ہی توجہ دیں تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ نماز کی ادائیگی خصوصا اول وقت پر کتنی اہمیت ہے، روز عاشورا ہے، جنگ، پیاس، زخم، دکھ، درد، تکلیف اہل حرم اور بچوں کی پریشانیوں کی فکر کا ماحول ہے پھر بھی ایسے وقت میں امام حسین علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ نماز کو اہمیت دی اور اسے ادا کیا بلکہ نماز کو اول وقت ادا کرنے کا اہتمام کیا، ایک ایسا وقت جب لوگ اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں، ایسے ماحول میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے جانباز صحابیوں کے ساتھ کربلا کے تپتے صحرا میں اول وقت نماز کا اہتمام کرکے تاقیامت اپنے چاہنے والوں کو درس دے دیا کہ انسان پر کتنا بھی سخت وقت پڑے مگر اسے کوشش کرنا چاہئے کہ نماز جیسی عبادت الٰہی کو بر وقت انجام دے۔

اس مضمون میں واقعہ کربلامیں امام حسین علیہ السلام کی سیرت میں نماز کے مقام اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو بطور مثال پیش کیا گیاہے،اگرچہ اس موضوع پر لکھنے کے لیے بہت کچھ ہے لیکن اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے امام حسینؑ کے عمل و کردار کی رشنی میں اس مقالہ میں ہم **کربلااور اہمیت نماز** کو بیان کریں گے۔

امام حسین علیہ السلام اور نماز کا قائم کرنا

زیارت وارثہ میں بار بار سلام اور انبیاء علیہم السلام کی میراث کے بیان کے بعد جو پہلی گواہی ہم امام حسینؑ کے بارے میں دیتے ہیں وہ یہ ہے: **أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلاةَ** "میں گواہی دیتاہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کیا۔ درحقیقت یہ گواہی اور شہادت کیاہے جو مختلف زیارتوں میں ادا کی جاتی ہے جیسے کہ زیارت جامعہ وغیرہ،میں ہم اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں اقرار کرتے ہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ اکثراوقات ایک شخص نماز پڑہتاہے لیکن بعض اوقات وہ لوگوں کو حقیقی نماز کا تعارف کراتاہے،قرآن کریم میں نماز قائم کرنے والوں کی مذمت نہیں کی گئی،اس کے برعکس بعض نمازیوں کی مذمت کی گئی ہے،جیساکا قرآن کریم میں خداوند عالم بیان فرماتاہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ * الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ * الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ * تباہی ہو ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں[1]۔

لہٰذا عمر سعد نمازی تھا،بلکہ باقاعدہ نماز پڑھتا تھاتب ہی تو جب امام حسینؑ نے نماز عصر کی مہلت مانگی تو وہ راضی ہوگیا تھا اگرچہ بعد میں اپنے بیٹے کے اکسانے پر اس نے نماز کی حالت میں امام حسینؑ اور ان کے انصار باوفا پر تیروں کی بارش کی،لیکن وہ نماز جو یزیدی پروپیگنڈے کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں فناہوگئی تھی،اس نماز کو قائم کرکے قیامت تک کے لیے زندہ وجاوید کرناامام حسین علیہ السلام کا کام ہے۔ اسی لئے امام زین العابدین علیہ السلام سے جب سوال کیاگیا کہ معرکہ کربلامیں کون جیتاکون ہاراتو آپؑ نے فرمایا: وقت نماز آنے دو اگر موذن شہادت خدا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت کی شہادت و گواہی دے تو سمجھ لینا حسینؑ جیت گئے اور یزید ہار گیا۔ لہذا ہماری عزاداری، تعزیہ داری، مجالس و جلوس اور نوحہ خوانی سینہ زنی کا سب سے اہم ہدف و مقصد اقامہ نماز اور اول وقت اس کی ادائیگی کی کوشش و تلاش ہوناچاہیے۔ اور عزاداری کہ پروگرام کو اس طرح تنظیم ینا چاہیے کہ نماز کے اوقات سے نہ ٹکرائے۔

واقعہ کربلامیں دعااور عبادت کی اہمیت

امام حسینؑ نے عبادت کو اپنے قیام و تحریک میں سرفہرست رکھاتھا،اس لیے آپؑ نے مزید عبادت کے لیے دشمن سے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ حالانکہ آپؑ نے میدان کربلامیں عبادت الہی کے ساتھ ساتھ اور کام بھی انجام دیئے جیساکہ دشمن کو حق کی طرف دعوت دینا،خیموں کوایک دوسرے کے نزدیک لگوانا،خیموں کے اردگرد گڑھے کھدوانا،صحابہ کاامتحان لینا،ہتھیاروں کی صفائی وغیرہ[2]۔

---

[1]. سورہ ماعون آیت ۴ سے ۶

[2]. ارشاد مفید، ج ۲ ص ۹۰

لیکن آپؑ نے عبادت کو اپنے قیام میں ہر کام پر مقدم رکھا، درحقیقت آپؑ ہر وقت ذکر، دعا اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے، اور نہ صرف آپؑ بلکہ آنحضرتؑ کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، جیسا کہ سید ابن طاؤس کہتے ہیں: امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں نے شب عاشور صبح تک اس طرح عبادت و تلاوت قرآن میں گزاری کہ ان کی عبادت و تسبیح و تہلیل کی صدائیں ان کے خیموں سے اس طرح سنائی دیتی تھیں۔ جیسا کہ شہد کی مکھیوں کے بھن بھنانے کی آواز۔ کوئی رکوع کر رہا تھا تو کوئی سجدہ، کوئی حالت قیام میں تھا تو کوئی حالت تشہد میں[1]۔

حالانکہ یہ بات درست ہے کہ ہر وہ عمل عبادت ہے جو خدا کے لئے انجام دیا جائے، خواہ وہ تلوار کو تیز کرنا ہو یا صحابہ کو آزمانا ہو، لیکن ذکر، عبادت، دعا و مناجات اور دشمنوں سے عبادت کے لیے مہلت طلب کرنا، عبادت کی اہمیت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ہدایت دیتا ہے کہ عبادت کو اپنے تمام تر اعمال میں سرفہرست رکھیں اور انتہائی برے حالات میں اور کم سے کم سہولتوں کے ساتھ بھی عبادت کو نظر انداز نہ کریں۔ کیونکہ ہم اس امام مظلومؑ کے ماننے اور چاہنے والے ہیں کہ جنہوں نے دشمن سے اپنے لئے کسی چیز کا سوال نہیں کیا۔ حتیٰ کہ عاشورہ کے دن کی شدید پیاس کی حالت میں، لیکن ایسے سخت حالات میں اگر سوال بھی کیا تو دشمن سے ایک رات کی عبادت کا وقت مانگا ہے آپؑ کے اس عمل سے نماز کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ لیکن افسوس بعض مقامات پر دیکھنے کو ملتا ہے ہم رات و دن عزاداری، جلوس اور شب داری میں مصروف رہتے ہیں لیکن نماز کے وقت نماز سے غافل ہو جاتے ہیں یا نماز کو اہمیت نہیں دیتے جیسا دینا چاہیے جب کہ امام صادق علیہ السلام اپنی آخری وصیت میں فرماتے ہیں: "إن شفاعتنا لا تنال مستخفا بالصلاة "بیشک وہ ہماری شفاعت نہیں پاسکتا جو نماز میں سستی و کاہلی برتتے[2] جب سستی و کاہلی برتنے والا اہل بیت علیہم السلام کی روز محشر شفاعت نہیں پاسکتا تو پھر وہ کیسے پاسکتا ہے جو نماز ہی نہ پڑھتا ہو!۔

امام حسین علیہ السلام کے تمام خطبات نماز سے پہلے یا نماز کے بعد تھے

حضرت امام حسینؑ نے نہ صرف دشمن سے نماز اور عبادت کا موقع طلب کیا بلکہ مکہ مکرمہ سے کربلا تک کے راستے میں نماز سے پہلے اور بعد میں اہم ملاقاتیں بھی کیں اور خطبات بھی دیئے۔

آپ کے اس عمل سے نماز کی اہمیت اور مرکزیت ظاہر ہوتی ہے، جس کی چند مثالیں ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

---

[1]. بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۱۶

[2]. من لایحضرہ الفقیہ - ج ۱ - الصفحۃ ۲۰۶ حدیث ۶۱۸

۱) حرؑ کے لشکر سے خطاب

امام حسین علیہ السلام کی ملاقات لشکر حر بن یزید ریاحی سے ہوئی اور وقت نماز آیا تو آپؑ نے حجاج بن مسروق سے فرمایا: اذان کہو، پھر حضرتؑ نے حر کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے راہ حق کے اختیار کرنے کی تبلیغ کی، آپؑ نے جناب حرؑ سے فرمایا: کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھو گے؟ حرؑ نے جواب دیا ہم آپؑ کی اقتدا میں ہی نماز ادا کریں گے۔

۲) روز عاشورہ نماز صبح کی ادائیگی اور اس کے بعد اپنے اصحاب باوفا سے خطاب

سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے صبح عاشورہ کی نماز پڑھائی، پھر اپنے ساتھیوں سے خطاب فرمایا اور انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

صبرا بنی الکرام! فما الموت الا قنطرۃ تعبر بکم عن البؤس والضواء الی الجنان الواسعۃ، والنعیم الدائمۃ، فایکم یکرہ ان ینتقل من سجن الیٰ قصر، وما ھو لاعدائکم الا کمن ینتقل من قصر الیٰ سجن وعذاب، ان ابی حدثنی عن رسُول اللہ ﷺ ان الدُنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر، والموت جسر ھؤلاء الی جنانھم، و جسر ھؤلاء الی جحیمھم صبر کرو! اے کریم اور بزرگوار لوگوں کے بیٹو! موت تو صرف ایک پل ہے، جو تمہیں تکلیفوں اور ناراحتیوں اور رنج والم سے بہشت کے وسیع باغات اور جاودانی نعمتوں کی طرف منتقل کر دیتی ہے، تم میں سے کون ایسا ہے، جو زندان سے قصر میں منتقل ہونے سے تکلیف میں ہو، لیکن تمہارے دشمنوں کی مثال اس شخص کی مانند ہے جسے قصر سے زندان اور عذاب کی طرف منتقل کریں، میرے والدؑ نے رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا: کہ دنیا مومن کے لئے زندان ہے اور کافر کے لئے بہشت اور موت اُن کے لیے تو جنت کے باغات کے لیے ایک پل ہے اور اِن کے لیے جہنم کا پُل ہے[1]۔

عاشورا کی صبح کو امام حسین علیہ السلام نے لشکر یزید سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم نے اطاعت کا اقرار کیا رسالت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے پھر تم نے ان کے خاندان اور اولاد پر حملہ کیا ان کے قتل کا ارادہ کرتے ہو شیطان تم پر غالب ہے ذکر خدا کو بھول چکے ہو بربادی ہے تمہارے لئے اور تمہارے ارادوں کیلئے ہم اللہ کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں[2]۔

۳) نماز و دعا کے لیے جنگ میں ایک رات کی تاخیر کی درخواست

۹ محرم الحرام کو عمر سعد اور اس ملعون کے دیگر ساتھیوں نے ایک عام حملے کے ساتھ لشکر امام حسینؑ کا کام ختم کرنے کا فیصلہ کیا، فوجوں کی نقل و حرکت اور غبار کے اُٹھنے نے امام حسینؑ کو یزید لشکر کی طرف متوجہ کیا، آپؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو بھیجا اور فرمایا:

---

[1]. معانی الاخبار، صفحہ ۲۸۹، باب معنی الموت

[2]. بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۴۵

یا عبّاسُ! اِرْکَبْ بِنَفْسی أَنْتَ - یا أَخی - حَتّی تَلْقاهُمْ فَتَقُولَ لَهُمْ: ما لَکُمْ؟ وَما بَدا لَکُمْ؟ وَتَسْأَلُهُمْ عَمّا جاءَ بِهِمْ؟.

میرے بھائی عباسؑ، میری جان تم پر قربان ہو ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے، اور تم کیا چاہتے ہو؟ اور ان سے پوچھو ان کے پاس کیا حکم آیا ہے، حضرت عباسؑ چلے گئے، واپس آئے اور کہا کہ کہتے ہیں یا تو یزید کی بیعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

امام حسین علیہ السلام نے جناب عباسؑ سے فرمایا: اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُؤَخِّرَهُمْ إِلی غَدْوَةٍ وَتَدْفَعَهُمْ عَنَّا الْعَشِیَّةَ، لَعَلَّنا نُصَلّی لِرَبِّنا اللَّیْلَةَ وَنَدْعُوهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، فَهُوَ یَعْلَمُ أَنّی کُنْتُ أُحِبُّ الصَّلاةَ لَهُ وَتِلاوَةَ کِتابِهِ وَکَثْرَةَ الدُّعاءِ وَالْاِسْتِغْفار؛

ان کے پاس واپس جاؤ اور کوشش کرو کہ جنگ کو کل تک ٹال دو تاکہ ہم آج کی رات دعا اور استغفار میں گزار سکیں، خدا جانتا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو نماز پڑھنا اور بہت زیادہ دعائیں مانگنا اور توبہ و استغفار کو دوست رکھتے ہیں[1]۔

۴) روز عاشور نماز ظہر

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ امام حسینؑ نے عاشورہ کی رات دشمن سے عبادت کے لیے مہلت طلب کی اور اس رات آپؑ اور آپؑ کے ساتھی نماز میں مشغول رہے اور جب صبح نمودار ہوئی اور دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے

لمّا عَبَّأَ عُمَرُبنُ سَعدٍ أصحابَهُ لِمُحارَبَتِهِ علیه السلام و أحاطُوا بهِ مِن کُلِّ جانِبٍ حتّی جَعَلُوهُ فی مِثلِ الحَلْقَةِ فَخَرَجَ علیه السلام حتّی أتی النّاسَ فَاستَنصَتَهُم فَأَبَوا أن یُنصِتُوا حتّی قالَ لَهُم: وَیلَکُم! ما عَلَیکُم أن تُنصِتوا إلَیَّ فَتَسمَعوا قَولی؟! و إنّما أدعُوکُم إلی سَبیلِ الرَّشادِ ... و کُلُّکُم عاصٍ لِأمری غیرُ مُستَمِعٍ قَولی فقد مُلِئَت بُطونُکُم مِنَ الحَرامِ و طُبِعَ علی قُلوبِکُم.

جب عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو امام حسینؑ کے لشکر سے لڑنے کے لیے تیار کیا اور انہوں نے آپؑ اور آپؑ کے اصحاب باوفا اور اہل خانہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو امام علیہ السلام نے دشمن کے سامنے آکر انہیں خاموشی اختیار کرنے کے لیے کہا لیکن وہ چپ نہ ہوئے تو آپؑ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: افسوس! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری طرف کان لگا کر میری باتوں کو سنو! میں تمہیں راہ راست کی طرف بلاتا ہوں لیکن تم سب میری نافرمانی کرتے ہو اور میری باتوں پر کان نہیں دھرتے۔ کیونکہ تمہارے پیٹ حرام چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں اور تمہارے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے[2]۔

---

[1]. بحار الانوار ج ۴۴، ص ۳۹۲

[2]. بحار الانوار، ج ۴۵ ص ۲۱

عبادت اور دعا کا اثر

امام حسینؑ کی راستے میں عبادت اور شب عاشورہ عبادت کے لیے مہلت کا اثر اور نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب باوفا نے حر اور بعض دوسرے لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کی اور راستے میں زہیر بن قین اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی حق کی طرف بلایا۔ ہاں! گناہوں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے یہ کشتی نجات دنیا کے اختتام تک رواں دواں ہے۔ اور حسینؑ آج بھی هل من ناصر ینصرنا کی صدا بلند کر رہے ہیں۔

خلاصہ کلام

نماز اجتماعی طور پر ادا کی جائے اور نماز قائم کی جائے کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے أَقِيمُوا الصَّلَاةَ نماز قایم کرو، امام حسین علیہ السلام خیمہ میں نماز ادا کر سکتے تھے، لیکن آپؑ نے اجتماعی طور پر سب کے سامنے نماز ادا کی۔ ظہر عاشورہ کی نماز ادا کرتے وقت ۳۰ تیر حضرتؑ کی طرف مارے گئے۔ یعنی حمد، رکوع اور سجدہ کے تقریباً ہر کلمہ کے برابر امام حسین علیہ السلام پر تیر پھینکے گئے۔

ان دو رکعتوں کو ادا کرنے کے لیے لشکر امامؑ سے دو لوگ شہید ہو گئے۔ اہمیت نماز کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جب ۹ محرم کو سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو کئی مرحلوں گفتگو کے بعد آپ نے جناب عباسؑ سے جنگ کو ایک دن کے لیے ملتوی کرنے کو کہا تو فرمایا "انّی احب الصلاۃ" یہ نہیں کہا: میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ بلکہ فرمایا کہ میں نماز کو دوست رکھتا ہوں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن ہم نماز سے امام حسینؑ کی طرح کتنی محبت کرتے ہیں، لہذا ہمیں تمام امور دینی اور غیر دینی میں سب سے زیادہ نماز کو اہمیت دینا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ نماز کو اول وقت پڑھیں، جلوس، عزاداری، مجلس اور ماتم کے وقت کو اس طرح منظم کریں کے نماز کے وقت سے نہ ٹکرائیں۔

والسلام علی من اتبع الھدی

خدا را ہم سب کو نماز گزاروں اور نماز کو قایم کرنے والوں میں سے قرار دے۔ آمین۔

انصار حسینؑ کے خصوصیات

منہال رضا خیر آبادی

سینہ گیتی پر لا تعداد انقلابات رونما ہوئے، بے شمار تحریکوں نے جنم لیا جن کا تذکرہ کچھ دنوں زبان و قلم کے ذریعہ ہوتا رہا اور پھر طاق نسیاں کی زینت بن گئے کیونکہ اس کی افادیت ہمہ جہت اور مقاصد ہر دور کے ضروریات سے سازگار نہ تھے، راہبروں اور ساتھیوں کے کردار میں جامعیت، اصول و آئین تحریک میں مفاد عامہ پیش نظر نہیں ہوتے تھے، تاریخ کے صفحات پر ان گنت تحریکوں کے عروج و زوال کی کہانیاں ثبت ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تحریکوں کی کامیابی اور اس کے دوام کیلئے بلند و بالا مقاصد، ہر دور و زمانہ کے مطابق اہداف کے ساتھ ساتھ پختہ کردار، پاکیزہ طینت، جہد مسلسل کا حامل راہبر اور اس کے ہم نوا و ہم صدا رفقاء کا رول کم اہمیت نہیں رکھتا ہے۔

تاریخ کے دامن میں تحریکوں، انقلابات کے جلتے بجھتے، ٹمٹماتے، مدھم و چراغوں کے درمیان ایک حسینی تحریک کا مصباح ہدایت آج بھی مشعل راہ ہے اور صبح قیامت تک بھٹکتی ہوئی انسانیت، سرگرداں آدمیت کو امن و امان، صلح و آشتی، عدل و انصاف، اخوت و بھائی چارہ کے جادہ پر نور کی نشاندہی کرتا رہے گا۔

حسینی فکر اور یزیدی خیال کا بنیادی فرق برائیوں کے خاتمہ، اچھائیوں کو عام کرنے اور اسلامی سماج سے اقدار الٰہی کو ختم کر کے برائیوں کو اتنا عام کرنا کہ برائیوں سے نفرت کا جذبہ ہی مٹا دیا جائے تاکہ سماج و معاشرہ برائی کو برائی ہی نہ سمجھے میں مضمر ہے اچھائیوں، کمالات اور اقدار الٰہی کے محافظ سرکار شہادت امام حسین علیہ السلام ہیں جبکہ برائیوں کا پیکر، رذالتوں کا مجسمہ یزید۔

آج کائنات کے ہر گوشہ و کنار میں جرائت و ہمت، بہادری و شجاعت کی لازوال داستان کربلا کا تذکرہ ہو رہا ہے، اسلامی معاشرہ کے مفکرین ہوں یا غیر اسلامی سماج کے ارباب فکر و نظر، ہر ایک عظمت شہداء کربلا، تحریک حسینی کے آفاقی پیغام، انقلاب عاشورا کے لازوال و عالمی اثرات کو محسوس کر رہا ہے اور خراج عقیدت پیش کر رہا ہے، افریقی سیاہ فام ہوں یا ملک عزیز ہندوستان کے عظیم راہنما مہاتما گاندھی سب نے کربلا سے سیکھا اور سیکھ کر کامیابی حاصل کیا، خاندان رسول اور عاشقان حسینی کے خون سے لکھی جانے والی حریت، ایثار و للہیت کی داستان آج بھی زندہ ہے نہ صرف زندہ بلکہ مردہ ضمیروں، اقوام عالم کے بے جان اندام میں روح حیات پھونک رہی ہے۔

عظیم ادیب و مفکر ابوالکلام آزاد اپنی کتاب شہید اعظم کے دیباچہ میں اس آفاقی و عالمی تحریک کے اثرات کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

"جس واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے وہ شہادت حسینی کا عظیم واقعہ ہے بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے جس قدر اس حادثہ پر بہہ چکے ہیں"

اس تحریک کی جاذبیت اور مقناطیسیت میں جہاں ایک طرف امام حسین کا عصمتی کردار، دوررس نتائج کے حامل اہداف، انسانیت نوازی، ظلم بیزاری کا جذبہ کارفرما ہے تو دوسری طرف اصحاب حسینی کے پاکیزہ کردار، عزم و حوصلہ، کمالات و خصوصیات کی دخالت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اصحاب حسینی کے عظمت کردار، بلند مرتبہ شان و منزلت کے لئے امام حسین کا یہ جملہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے: فانی لا اعلم اصحابا اوفی ولا خیرا من اصحابی اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا و نیک ساتھی میں نے نہیں دیکھا۔

ائمہ معصومین نے زیارات واحادیث میں کردار اصحاب کی بلندی، صفات حمیدہ اور کمالات معنوی کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اتنے عظیم صفات و کمالات کے حامل ساتھیوں کی معیت نے تحریک کربلا کے دائمی اثرات کو چار چاند لگادیئے جس کی شعاعیں رہتی دنیا تک صراط مستقیم، جادہ انسانیت کو روشن بنائے رکھیں گی۔

زیارت رجبیہ میں اصحاب حسینی کے عشق الہی اور خدا سے مستحکم رابطہ کے سلسلے میں ہم پڑھتے ہیں: السلام علیکم ایھا الربانیون انتم خیرۃ اختارکم اللہ لابی عبداللہ اے ربانیوں تم پر سلام کہ اللہ نے تمکو امام حسین کے لئے منتخب فرمایا

ربانی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا اللہ سے رابطہ والہانہ ہو، شہداء کربلا کا والہانہ عشق اس بلندی پر تھا کہ خوشنودی رب کی خاطر اپنی کل کائنات لٹادینا گوارا کرلیا مگر ذات باری سے رابطہ کو کمزور نہیں ہونے دیا۔

شب عاشور امام عالی مقام نے اپنی بہن ثانی زہرا سے اپنے اصحاب کی شجاعت و بہادری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: واللہ قد بلوتھم فما وجدت فیھم الا الاشوش الاقعس لیستانسون بالمنیۃ دونی استیناس الطفل الی محالب امہ بخدا میں نے اپنے ساتھیوں کو آزمایا تو انھیں صلابت واستواری، شیرانہ شجاعت سے لبریز پایا میری معیت میں موت سے وہ اتنا مانوس ہیں جتنا طفل شیر خوار ماں کے مخزن شیر سے مانوس ہوتا ہے۔

کربلا کے جانباز ایمان سے لبریز، عشق الہی سے سرشار تھے جس کی وجہ سے خوف وہراس کا گذر نہیں ہوسکا، یزیدی جبر واستبداد کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے، حق کی راہ پر ثابت قدمی واستقامت مشکل امر ہے یہ مشکل دوچند ہوجاتی ہے جب سماج و معاشرہ کی اکثریت مد مقابل ہوجائے، کربلا میں امام حسین کے باوفا اصحاب نے اس مشکل کا مقابلہ بھی خنداں پیشانی سے کیا اور پاء ثبات میں لغزش پیدا نہ ہونے دیا یہ استقامت و ثبات نتیجہ ہے اس عشق الہی کا جس سے ان کے پاکیزہ قلوب مملو تھے۔

تاریخ کربلا کی ورق گردانی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محبت دنیا، دنیا سے دل لگی کا انجام بہت برا ہوتا ہے، کربلا میں امام حسین کے مقابل آنے والے افراد ریاست شہری کی لالچ، منصب و عہدہ کی خواہش لئے ہوئے تھے، حکومتی وعدوں نے دل و دماغ پر قفل لگادیا تھا جس کے

---

[1]. الارشاد، ج۲، ص۹۱

[2]. مقتل مقرم، ص ۳۶۳

نتیجہ میں نواسہ رسول،فرزند بتول کے قتل کے در پے ہوگئے چند گنے چنے افراد تھے جو دنیا کے دام تزویر میں اپنی بصیرت ومعرفت کی بنیاد پر اسیر نہ ہوسکے اور اپنا سب کچھ امام کے قدموں میں رکھ دیا،انھیں نہ دنیاوی مال ومنال کی تمنا تھی نہ حکومتی عہدہ ومنصب کی لالچ،الہی رضا کے حصول کی خاطر دنیا کو خیرباد کہکر امام وقت کی حفاظت کے لئے سب کچھ لٹاتے رہے اور ماتھے پر شکن بھی نہیں آئی۔

خوارزمی کا بیان ہے:روز عاشورا جب لشکر حسینی ویزید آمنے سامنے ہوئے توامام کے ایک صحابی نے عمر سعد کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے کہا تم ان افراد سے جنگ پر آمادہ ہو جو شیر زمانہ اور بصیرت کے حامل ہیں عمر سعد نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا میرا خیال بھی یہی ہے[1]

بصیرت اس استعداد کا نام ہے جس کے ہوتے ہوئے باطل کسی بھی لباس میں سامنے آئے اہل بصیرت کو فریب نہیں دے سکتا ہے،دشمن کی سازشوں کو بے نقاب کردیتی ہے اور اس کے ہر حربے کو ناکام بنادیتی ہے،تاریخ کربلا گواہ ہے لشکر یزیدی کی دسیسہ کاریاں بے اثر ثابت ہوئیں اور لشکر یزیدی کو ہدایت حسینی کے آبشار نے اتنا متاثر کیا کہ ذہن حر کا پاک وپاکیزہ بناکر یزیدی اندھیرے سے نکالکر شاہراہ حسینیت پر گامزن بنادیا۔

فداکاری وایثار مومن کے واقعی کمالات میں سے ایک ہے،اس تک رسائی وہی حاصل کرسکتا ہے جس کا الہی وعدوں پر مستحکم اعتقاد ہو جہاں اعتقاد میں ذرہ برابر تزلزل ہوگا وہاں جذبہ فداکاری مفقود ہوگا،کربلا کی تاریخ نے فداکاری وایثار کے ایسے لازوال نقوش پیش کئے ہیں جس کی نظیر تاریخ آدم وعالم میں ناپید نہیں تو کمیاب ضرور ہے ،شب عاشور کے پرہول مناظر،سخت ترین گھڑی میں جب سرکار شہادت امام حسین نے اپنے ساتھیوں سے بیعت اٹھالینے کی بات کی تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انجام سے باخبر افراد رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھالیتے لیکن کسی ایک کا نہ جانا ان کے جذبہ ایثار کی بلندی کا پتہ دیتا ہے،ایک صحابی نے امام سے مخاطب ہوکر عرض کیا مولا بخدا فرزند رسول کو چھوڑ کر ہم کسی بھی حال میں نہیں جاسکتے ہیں ہمیں قتل کیاجائے پھر زندہ کیاجائے اور ہمیں جلاکر راکھ کردیاجائے اور ہماری راکھ کو فضامیں اڑادیاجائے اور یہ عمل ستربار انجام دیاجائے تب بھی ہم آپ سے جدا نہ ہوں گے اور ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ کی معیت میں قتل ہونا ابدی عزت کا سبب ہے[2]

چشم فلک نے ایسے خصوصیات کے حامل،اتنے عظیم صفات کے مالک افراد کم دیکھے ہوں گے یہ وہ ابدی نمونے ہیں جو ہمیشہ انسانیت کے لئے منارہ نور بنے رہیں گے۔

ہمارا کروڑوں سلام ان اجساد محترمہ ونفوس قدسیہ پر جنھوں نے اپنے خون سے ریگزار کربلا کو لالہ زار بنادیا،اسلام کی ڈوبتی کشتی کو ساحل نجات تک پہونچاکر ابدی نیند سوگئے۔

---

۱. مقتل الحسین،ج۲،ص۱۸

۲. تاریخ الامم والملوک،ج۵،ص۴۱۸

کربلا میں صنف نسواں کا کردار

ڈاکٹر شاذیہ مھدی

خواتین کے نمایاں کردار پوری اسلامی تاریخ کے سنہری صفحات پر درج ہیں۔ باکردار اور عظیم خواتین کی نگاھیں، دست اور دامن ہمیشہ سے اعلیٰ انسانی اقدار اور آدرشوں کے محافظ رہے ہیں اور اس حقیقت سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ائمہ معصومین علیھم السلام کی موجودگی اور غیبت کے دور میں بھی اسلامی ثقافت کی ترقی اور ترویج اسلام کی تاریخ نے خواتین کے قابل قدر کردار اور رول کی گواہی دی ہے۔

مسلمان خواتین نے ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک تمام شعبوں میں نمایاں کردار ادا کیا ہے جن میں خاتون اول حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں جنہوں نے اسلام کی خدمت میں اپنی تمام تر طاقت صرف کی۔ انہوں نے اپنے تعمیری کردار کو نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ اپنی تمام تر قوت اور حمایت پیغمبر اکرم ﷺ اور دین اسلام کے لیے استعمال کی، اس حقیقت کے علاوہ حضرت خدیجہ ایک مہربان، باشعور اور ذہین بیوی کے طور پر ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مددگار رہیں۔ ان کی لخت جگر خاتون جنت جناب زہرا سلام اللہ علیھا نے بھی اپنے کردار اور پر مغز خطبے سے ولایت و امامت کے موقف کی تائید اور حمایت کی ہے۔

اسی طرح اسلام کی بقا اور آبیاری کے لئے واقعہ کربلا ان اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے جس نے تاریخ پر نہایت عمیق اثر ڈالا۔ اس دردناک واقعے میں پیامبر اکرم ﷺ کے نواسے امام حسین علیہ السلام اپنے اھل و عیال اور وفادار ساتھیوں سمیت میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

امام حسین علیہ السلام کے حجاز سے کربلا تک کے سفر میں مردوں کے علاوہ بہت سی خواتین بھی اس قافلے میں موجود تھیں۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے خاندان کا حصہ تھیں یا آپ کے اصحاب کے خاندان میں سے تھیں۔ کربلا کے اس دلسوز واقعہ میں ان خواتین نے اپنے کردار، رفتار اور گفتار سے انتہائی اہم اور مختلف فرائض انجام دیئے جنہیں کبھی تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔ سب سے اہم مشن جو خواتین نے اس سفر میں انجام دیا وہ امام حسین علیہ السلام کے مقصد اور ھدف کو اور کربلا کے تمام واقعات کو دوسروں تک پہنچانا تھا اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں انھوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اگرچہ جہاد اور دشمن سے جنگ کرنے کا فریضہ خواتین کے کندھوں سے اتار دیا گیا تھا لیکن بعض اوقات کربلا کے میدان میں موجود خواتین نے میدان جنگ میں رہ کر دشمن کا اپنے کردار اور گفتار سے مقابلہ کر کے اپنا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے لکھوا دیا۔

ان خواتین نے تمام مصائب پر صبر اور پائداری کا مظاہرہ کر کے، اس شاندار اور پر اثر واقعہ کو زندہ رکھنے میں بہت گرانقدر کردار ادا کیا۔ شہید مطہری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق "کربلا کی تاریخ مرد و عورت کی تاریخ اور واقعہ ہے۔ ایک ایسا واقعہ جس میں مرد اور عورت دونوں کا کردار ہے۔ لیکن مرد اپنے دائرے میں ہے اور عورت اپنے دائرے میں ہے۔[1]

عاشورہ اور کربلا کے حساس مناظر میں خواتین اور ان کی براہ راست موجودگی کی بات کی جائے تو سب سے پہلے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا عظیم نام اور کردار ذہن میں آتا ہے۔ اس عظیم خاتون کا کردار اس قدر نمایاں اور جامع ہے کہ اسے بیان کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے امام حسین علیہ السلام کے لیے ایک رفیق، ہمدرد اور قریبی ساتھی کا کردار نبھایا اور اس کے علاوہ معصوم یتیم بچوں کی دیکھ بھال کرنا، پیاروں اور عزیزوں کی شہادت کے خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا کرنا، مصیبت زدہ، پریشان اور خستہ حال خواتین کو سنبھالنا، اپنے وقت کے امام، امام سجاد علیہ السلام اور دیگر جانوں کی حفاظت کرنا، اور شہدائے کربلا کے پسماندگان میں ذہنی سکون پیدا کرنا وغیرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے اہم کرداروں میں سے ہیں۔

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنے منفرد اور بلیغ خطبات سے شام و کوفہ میں، خالص اسلام اور اہل بیت علیہم السلام کی حقانیت کو دنیا کے سامنے پہنچا کر اسلام کو زندہ کیا۔ اس عظیم شخصیت کی تقاریر نے یزید کی پلید اور مکار شخصیت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا اور محمدؐ و آل محمدؐ کی عظمت اور بلندی کو لوگوں کے سامنے ثابت کر دیا۔ حضرت زینبؑ کے خطبے نے یزیدی دربار کو للکارا اور باطل حکومت کی بنیادیں ہلا دی۔ آپ کے دلسوز اور پر مغز کلمات سے سب کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوتے رہے۔ جناب زینبؑ نے امام حسین علیہ السلام کے مصائب کی یاد دلا کر اس عظیم الشان واقعہ کو سب کے سامنے واضح اور روشن کر دیا جس سے باطل کا اصلی چھرہ عیاں ہو گیا۔ شہید مطہری لکھتے ہیں: زینب سلام اللہ علیہا نے پہلی بار امام حسین علیہ السلام کے لیے ماتمی مجلس قائم کی۔[2]

آپ نے اپنے کردار سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فریضے کو اس طرح انجام دیا کہ آج بھی اس کی کوئی مثال نظر نہیں آرہی ہے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے ہمراہ جناب رباب، ام کلثوم وغیرہ جیسی ممتاز خواتین بھی اس قافلے میں موجود تھی جنھوں نے امامؑ کے مصائب لوگوں تک پہنچا دیئے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل بیت علیہم السلام نے آپؑ کے جسد مبارک پر آکے مرثیہ پڑھا راوی کہتا ہے: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں علی علیہ السلام کی بیٹی زینب کو نہیں بھولوں گا، جس نے غمگین آواز اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ

---

[1]: حماسہ حسینی، شہید مطہری، ص ۳۳۲

[2]: حماسہ حسینی، شہید مطہری، ص ۳۳۳

پکارا، یا محمدّا صلی علیك ملائکة السّماء، ھٰذا حسین مر مّل بالدّماء۔۔۔ یا رسول اللہ، آپ پر آسمان کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ یہ آپ کا حسین ہے جو ریت پر اپنے خون میں غلطان ہے[1]۔۔۔۔ فابکت کل عدو و صدیق یعنی ایسا کام کیا کہ ہر دشمن اور دوست اس پر روتا رہا۔[2]

امام حسین علیہ السلام کے باوفا اصحاب کے ساتھ ساتھ ان کی خواتین نے بھی اس واقعہ میں اہم اور منفرد کردار کا مظاہرہ کیا۔ جنھوں نے اپنے شوہروں اور بچوں کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دے کر کربلا کی خواتین کی شاندار تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے درج کر دیا۔ ان عورتوں میں سے بعض کسی نہ کسی طریقے سے میدان جنگ میں موجود تھیں اور دشمن کے خلاف بہادری سے لڑیں۔

ام وہبؓ اور ان کا بیٹا اور بہو عیسائی تھے۔ لیکن سفر کے دوران ان کا امام حسینؑ سے سامنا ہوا اور وہ اسلام کے دائرے میں آگئے اور کربلا میں شہادت کا جام نوش کیا۔ دشمنوں نے ماں کو اذیت دینے کی غرض سے وہب کا سر بہادر بوڑھی عورت کی طرف پھینک دیا۔ لیکن اس صابر اور باایمان ماں نے اپنے نوجوان کا ماتھا چوما اور کہا: شکر ہے خدا کا جس نے تیری شہادت سے مجھے امام حسین علیہ السلام کے سامنے روسفید کیا۔ اس کے بعد اس نے وہاب کا سر دشمن کی طرف پھینکا اور کہا: ہم نے جو چیز راہ خدا میں دی، اسے واپس نہیں لیں گے۔ اس نے خیمے کے ستون کو لے کر دشمن پر حملہ کیا اور پسر سعد کے دو سیاہ فاموں کو قتل کر دیا۔ امام علیہ السلام اسے خیمہ میں واپس لائے اور اس کے لیے دعا کی اور جنت کی بشارت دی۔ ام وہب نے بخوشی اپنے امام کے حکم کی تعمیل کی اور کہنے لگی: "خدایا! مجھ سے جنت کی امید نہ چھین لینا۔"[3]

تاریخی کتابوں میں آیا ہے کہ عبد اللہ کی شہادت کے بعد عاشورہ کے دن ان کی وفادار بیوی ھانیہ ان کے سرہانے پر آئی اور ان کے چہرے سے خاک و گرد و غبار صاف کیا۔ اس وقت شمر کے حکم سے ایک غلام نے اس سوگوار خاتون کے سر پر گرز مار کر اسے قتل کر دیا۔ اس ذمہ دار خاتون کی شہادت نے اس عظیم تاریخی تحریک کی صداقت پر شہادت کی مہر لگادی۔[4]

اسی طرح دلہم، زہیر بن قین کی بیوی، جو کوفہ کی ممتاز شخصیات میں سے ایک تھیں، اس نے اپنے شوہر کو امام حسین کی اپنے منطقی اور موثر الفاظ میں مدد کرنے کی ترغیب دی۔ در حقیقت اس نے زہیرؓ کے لیے شہادت کے سائے میں سعادت کا میدان فراہم کیا۔ جب امامؑ کا

---

[1]. لھوف (اردو) ص ۱۰۲، ۱۰۳

[2]. حماسہ حسینی، شھید مطھری، ص ۴۰۹

[3]. مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۰۵، سوگنامہ آل محمد ص ۲۱۲

[4]. منتھی الاعمال، شیخ عباس قمی، ص ۴۲۴، سوگنامہ آل محمد، ص ۲۱۲

قاصد زہیر کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تو زہیر کی بیوی دلہم عمرو کی بیٹی نے زہیر سے کہا جو پہلے امام حسین علیہ السلام کے پاس آنا نہیں چاہتا تھا، تمہیں اس کے پاس جانے سے، اس کی بات سننے اور واپس آنے سے کیا چیز روک رہی ہے ؟[1]

اپنی زوجہ کی باتوں سے متاثر ہو کر امامؑ کے قاصد کے ساتھ ابا عبد اللہ علیہ السلام کے خیمے کی طرف بڑھا۔ جب وہ واپس آیا تو ولایت کی روشنی نے اس کے دل کو منور کر دیا تھا اس میں روحانی تبدیلی پیدا ہو گئی اور امام حسین علیہ السلام کے وفادار ساتھیوں میں شامل ہو کر کربلا کے میدان میں شہادت کا درجہ پایا۔ اس نیک اور پرہیز گار خاتون نے آخری لمحات میں اپنے شوہر سے کہا: ''میرے شوہر! میری آپ سے ایک گزارش ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یاد رکھنا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے جد امجد ہیں۔

اس عظیم خاتون کا اثر اور بصیرت ان کے قول و فعل میں اس وقت نظر آتی ہے جب وہ آخرت کی خاطر پیارے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرتی ہیں۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے علاوہ امام حسینؑ کے اھل بیت میں موجود دیگر خواتین جناب ام کلثوم، جناب سکینہ، جناب رباب وغیرہ نے بھی جگہ جگہ پر شھداء کربلا پر مرثیہ پڑھا اور جن کا تذکرہ تاریخ کے سوگناموں اور لھوف میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ جناب رباب، امرء القیس بن عدی کی بیٹی، امام حسین علیہ السلام کی بیوی اور جناب سکینہؑ اور علی اصغرؑ کی والدہ تھیں۔ آپ کربلا میں موجود تھی اور اپنے شیر خوار بچے کی شہادت کا مشاہدہ کیا اور عاشورہ کے بعد قیدیوں کے قافلے میں بطور قیدی موجود رہی۔ جب آپ مدینہ واپس آگئی تو سید الشھداءؑ کے لئے ایک سال تک ماتم اور عزاداری کرتی رہی۔ عاشورا کی اس دوپہر کی یاد میں وہ ہر وقت تپتی دھوپ میں بیٹھتی تھی اور آخر کار واقعہ عاشورہ کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

کربلا کی خواتین کا ایمان اور عقیدہ تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔ اگر خواتین ایسی عظیم عورتوں کو اپنا رول ماڈل بنالے تو وہ اپنی صلاحیتوں اور فرائض کے مطابق جدید اسلامی تہذیب کی ترقی کی طرف بہت بڑا قدم اٹھا سکتی ہیں اور مختلف ثقافتی اور سماجی میدانوں میں حضرت خدیجہؑ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، جناب زینبؑ جیسی نیک اور صالح خواتین کی مثال پر عمل پیرا ہو سکتی ہیں۔ انہیں کردار ساز ہونا چاہیے، کیونکہ ہمیشہ خواتین کا مذہبی طرز عمل کے نمونے سے استفادہ کرتے ہوئے، سب سے بڑا اور بہترین اثر اسلام اور پورے معاشرے پر ہو سکتا ہے۔

---

[1]. سوگنامہ آل محمد، ص ۲۰۷

حضرت علی اکبر علیہ السلام

سید علی ہاشم عابدی

ولی خدا، شبیہ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ)، ہمنام مرتضیٰ (علیہ السلام)، محبوب حضرت زہرا (سلام اللہ علیہا)، فرزند سرکار سید الشہدا (علیہ السلام) موذن عاشورا شہید کربلا حضرت علی اکبر علیہ السلام تاریخ آدم و عالم کے وہ واحد مجاہد و شہید راہ خدا ہیں کہ جنکو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آج بھی کائنات کے شہید اعظم محسن انسانیت سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام سے نہ صرف فکر و نظر بلکہ جسمانی لحاظ سے بھی سب سے قریب ہیں۔ شاید اسی لئے زیارت عاشورا میں جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام پر سلام ہے "السلام علی الحسین" تو اسکے فورا بعد "و علی علی بن الحسین" ہے۔

پاسبان حرمت بیت اللہ امام حسین علیہ السلام کے بیت الشرف میں جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو سرکار سید الشہدا علیہ السلام نے اپنے فرزند میں مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ) کا جمال دیکھا تو اسے مرتضیٰ (علیہ السلام) کا نام عطا کیا، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اس مولود کے ذہن نشین رہے کہ مستقبل میں آپ کے ہمراہ اصلاح امت کی خاطر قیام کرنا ہے جس میں سیرت نبوی و علوی ہی محور ہو گی۔ (و اسیر بسیرۃ جدی و ابی علی بن ابی طالب علیہما السلام)۔

یقیناً ایسے موقع پر شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے سبب آپ کی زیارت سے محروم اور اس غم سے تڑپنے والے صف بہ صف جمال مصطفیٰ کے دیدار کی خاطر در حسین علیہ السلام پر کھڑے ہوں گے۔ اور یہ نکتہ بھی کتنا لطیف ہے کہ تیسری شعبان کو ملائکہ، جنات و انسان کا ایک ہجوم بیت رسالت پر تھا تا کہ حُسن حسینی کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کو مبارکباد دیں لیکن آج گیارہویں شعبان یہی ہجوم بیت حسینی پر دکھا تا کہ جمال مصطفیٰ کی زیارت نصیب ہو بس فرق صرف اتنا ہے اس وقت آغوش رسالت میں امامت جلوہ فگن تھی اور آج آغوش امامت میں حُسن رسالت کے جلوے ہیں۔

یہ اظہار عقیدت نہیں بلکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے بیان حقیقت ہے اور آپ نے خلق کو مخاطب کر کے نہیں فرمایا بلکہ کربلا کے میدان میں روز عاشورا خالق سے خطاب کیا "خدایا تو گواہ رہنا میں نے اس قوم کی جانب اس جوان کو بھیجا ہے جو خلقت، اخلاق و نطق کے لحاظ سے تیرے نبی کی شبیہ ہے" اب ان تینوں زاویوں سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ کی ذات اقدس کو دیکھنا ہو گا۔

خلقت: خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: اے جابر! سب سے پہلے جو چیز خلق ہوی وہ میرا نور ہے جو نور خدا سے وجود میں آیا۔[1]

اخلاق: حضور صلی اللہ علیہ و آلہ کے اخلاق کی بلندی تک کسی بشر کے طائر فکر کو قوت پرواز کہاں؟ جب خود اللہ نے فرمادیا: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[2] بے شک آپ اخلاق کے عظیم درجہ پر قائم ہیں۔

نطق: جس طرح آپ کے اخلاق کا قصیدہ قرآن کریم میں اللہ نے پڑھا اسی طرح آپ کے نطق کا بھی قرآن کریم میں اللہ نے قصیدہ پڑھا۔ "وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى"[3] اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے، یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

یہ ان تینوں لحاظ سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ کی عظمت بے مثال و بے نظیر ہے جسے خدا نے یا خود آپ نے بیان فرمایا۔ اور انہیں عظمتوں کی شبیہ سرکار سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام کو بتایا، جس سے جناب علی اکبر علیہ السلام کی عظمت و فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہ تائیدی مہر امام عالی مقام نے آخر میں لگای پہلے جناب علی اکبر علیہ السلام نے اپنے عمل و کردار سے اسے ثابت فرمایا جیسے راہ کربلا میں آپ نے جب امام حسین علیہ السلام کی زبان پر کلمہ استرجاء اور موت کے تعاقب کی خبر سنی تو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ نے جناب ابوطالب علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر ایک ہاتھ پر سورج دوسرے پر چاند رکھ دیا جاے تب بھی دین حق کی تبلیغ سے نہیں رکوں گا ویسے ہی آپ نے فرمایا "جب ہم حق پر ہیں تو موت کی پرواہ نہیں" راہ کربلا میں جو دعوی کیا تھا کربلا میں اپنی شہادت کے ذریعہ اسکی دلیل بھی پیش کردی۔

چونکہ آپ کی والدہ جناب ام لیلی سلام اللہ علیہا ابوسفیان کی نواسی تھیں اس لئے حاکم شام نے اپنے دربار میں اپنی تمام تر مکاریوں کے ساتھ کہا کہ "اس وقت خلافت کے اہل اور حقدار جناب علی اکبر علیہ السلام ہیں کیوں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے فرزند ہیں۔ انکے اندر بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی خوبصورتی ہے۔" اس کلام سے ظاہر الگتا ہے کہ حاکم شام آپ کی تعریف کر رہا لیکن اگر اہل نظر غور فرمائیں تو اسی میں سخاوت جیسی عظیم صفت سے بنی امیہ کو متصف کر رہا ہے۔ لیکن شبیہ پیغمبر کی حکمت کہ جب میدان کربلا میں رجز پڑھا تو نہ قبیلہ ثقیف کا ذکر کیا اور نہ ہی بنی امیہ کا بلکہ اپنے ہاشمی ہونے کو بیان فرمایا۔

أنا عَليُّ بنُ الحُسينُ بنُ عَليٍّ نَحنُ و بيتُ اللهِ أولى بالنَّبِيِّ
مِن شَبَثٍ و شَمَرٍ ذاكَ الدَّنِيّ أضرِبُكُم بِالسَّيفِ حَتّى يَنثَني

---

[1]. بحار الأنوار ج ۱۵، ص ۲۴
[2]. سورہ قلم آیت ۴
[3]. سورہ نجم آیت ۳ و ۴

ضَربُ غُلامٍ هاشِمیٍّ عَلَوِیٍّ ولا اَزالُ الیومَ اَحمی اَبی

تااللہِ لا یَحکُمُ فینا اِبنُ الدّعیّ

میں علی بن الحسین بن علی ہوں۔ خانہ کعبہ کی قسم ہم نبی صلی اللہ علیہ و آلہ سے نزدیک ہیں۔

اے شبث اور شمر پست تم کو یہاں تک تلوار ماروں گا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ ہاشمی علوی جوان کی شمشیر زنی۔

میں اپنے والد کی حمایت سے نہیں رکوں گا۔ خدا کی قسم اتنی تلوار ماروں گا تاکہ حرامزادہ حکومت نہ کر سکے۔

جمال مصداق "وما ینطق عن الھوی۔۔۔۔۔" نے ان اشعار میں اپنے ہاشمی ہونے پر فخر کیا اور یزید کو حرام زادہ بتاکر حاکم شام کے کردار کو رہتی دنیا تک اجاگر کر دیا۔

اسی طرح کربلا میں آپ کے لئے خود یزید کی جانب سے خصوصی امان نامہ آیا تو آپ نے اسے ٹھکرا دیا کہ ہم اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام کے حامی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے صبح عاشور نماز صبح کے ہنگام اپنے فرزند ارجمند حضرت علی اکبر علیہ السلام کو حکم دیا کہ اذان کہیں۔ امام حسین علیہ السلام امام معصوم ہیں، وہ اگر کسی کو مؤذن منتخب کریں گے تو یقیناً اس میں موذن کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں گے، کیونکہ مؤذن ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ ایک عظیم مرتبہ ہے، روایات کی روشنی میں موذن کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کی اواز اچھی ہو اور وہ لوگوں میں سب سے فصیح انسان ہو، خود امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا: "انا الموذن فی الدنیا و الآخرۃ" میں دنیا و آخرت میں موذن ہوں۔

معمار کربلا سید الشھداء امام حسین علیہ السلام اذان کے لئے جناب علی اکبر علیہ السلام کو حکم دے رہے ہیں۔ انسانیت اور انسانی اقدار کے محافظ واقعہ کربلا میں جس شخص کو معمار کربلا نے کماحقہ موذن سمجھا کہ قیامت تک جو لوگوں کو کربلا کی جانب دعوت دے سکے وہ ذات حضرت علی اکبر علیہ السلام کی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے معرکہ کربلا کے ہر قدم پر صبر فرمایا، ہر تکلیف پر صبر اور شکر خدا کیا، لیکن جب جناب علی اکبر علیہ السلام کو میدان جہاد میں بھیج رہے تھے تو اس وقت بد دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیا، فرمایا: ائے پسر سعد! خدا تیری نسل کو منقطع کرے جیسے تو میری نسل کو منقطع کر رہا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کا میدان میں جانا امام حسین علیہ السلام کے لئے کتنا سخت تھا۔

بہت سی روایتوں میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حضرت علی اکبر علیہ السلام رخصت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا: خیمے میں جاؤ اپنی بہن اور پھپھیوں سے رخصت ہولو۔ جناب علی اکبر علیہ السلام جب خیمے میں گئے تو اہل حرم نے آپ کو حلقے میں لے لیا اور نوحہ و گریہ شروع کر دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اہل حرم سے فرمایا: انہیں رخصت کرو، **فانه ممسوس فی الله و مقتول فی سبیل الله**۔ غور فرمائیں یہاں امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اکبر علیہ السلام کے لیے وہی تعبیر استعمال کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے لیے فرمایا تھا: **لا تسبوا علیا فانه ممسوس فی ذات الله تعالی**۔ علی (علیہ السلام) کو برا نہ کہو کیونکہ وہ ذات خدا میں مجذوب ہو گئے ہیں۔ ممسوس فی ذات اللہ کے علماء نے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔ عظیم حکیم و محدث ملا فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ممسوس فی ذات اللہ یعنی جو خود سے جدا ہو جائے اور خدا سے وصل ہو جائے اور اپنی تمام قدرت و طاقت کو خدا کی قدرت و طاقت میں غرق کر دے۔ اپنے تمام علم کو علم الہی سے ماخوذ سمجھے اور ہر کمال و ارادے کو خدائی سمجھے[1]۔ علامہ سید علی خان مدنی نے فرمایا ایسے شخص کو برا نہ کہو جس کے تمام صفات و کمالات خدائی ہوں[2] علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام کی خدا سے زیادہ محبت کی جانب اشارہ ہے اور یہ بھی احتمال پایا جاتا ہے کہ ممسوس مخلوط کے معنی میں ہے کہ امام علی علیہ السلام کا گوشت و خون محبت خدا میں مخلوط ہو گیا ہے[3]۔ المختصر ممسوس یعنی جو خدا کا ایسا دیوانہ ہو جائے کہ دنیا اور دنیا والے اس کی نظر میں ہیچ ہوں، اسے نہ کسی تعریف کرنے والے کی تعریف خوش کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی تنقید کرنے والے کی تنقید غمگین و محزون کر سکتی ہے۔

مذکورہ مطالب کی روشنی میں حضرت علی اکبر علیہ السلام کی عظمت و بزرگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ امام معصوم نے آپ کی عظمت کو بیان فرمایا ہے۔

کتاب روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ میدان جہاد میں جاتے وقت خود امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اکبرؑ کو آراستہ کیا، ان کو لباس جنگ پہنایا، ان کے سر پر خود رکھی اور امیر المومنین علی علیہ السلام کا پٹکا ان کی کمر پر باندھا اور عقاب نامی گھوڑے پر سوار کرایا، ایسے عالم میں امام حسین علیہ السلام شدت غم سے کبھی کھڑے ہوتے تھے کبھی بیٹھتے تھے اور آسمان کی جانب سر بلند کر کے فرماتے تھے: خدایا گواہ رہنا علی (اکبر) کو اپنے جد کی امت پر فدا کر دیا۔

مذکورہ روایت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو حضرت علی اکبر علیہ السلام سے کس قدر محبت تھی اور ان کی جدائی آپ پر کس قدر سخت تھی۔

---

[1]. الوافی، جلد ۳، صفحہ ۵۱۵

[2]. ریاض السالکین فی شرح صحیفۃ سید ساجدین، جلد ۱، صفحہ ۳۴

[3]. بحار الانوار، جلد ۳۹، صفحہ ۳۱۳

جب حضرت علی اکبر علیہ السلام زخموں کی تاب نہ لا کر زین سے زمین کی طرف چلے تو فریاد کی:

یا ابتاہ علیك منی السلام هذا جدی رسول الله یقرئك السلام و یقول: عجل القدوم الینا و شهق شهقة فارق الدنیا۔

اے بابا! آپ پر سلام ہو، یہ میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، میری جانب آنے میں جلدی کرو اس کے بعد ایک سانس لی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

امام حسین علیہ السلام آپ کے قریب آئے اور اپنے رخسار کو آپ کے رخسار پر رکھ دیا۔ حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ روز عاشورہ میں نے خود سنا (حضرت علی اکبر علیہ السلام کے جنازے پر) امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! خدا ان لوگوں کو قتل کرے جنہوں نے تمہیں قتل کیا۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: **علی الدنیا بعدك العفا** تمہارے بعد دنیا پر افسوس ہے۔

مذکورہ روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے نزدیک حضرت علی اکبر کس قدر عزیز تھے کہ آپ نے ان کے قاتلوں کے لئے بد دعا کی اور ان کے بعد زندگانی دنیا پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

السلام علی الحسین و علی علی بن الحسین

معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا مقام

سیدہ فاطمہ نقوی

بیشک امام حسین علیہ السلام کی تحریک نے تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز کیا اور علوی اسلام اور اموی اسلام کے درمیان سرحد کا تعین کر دیا اور حضرت ابوالفضل العباسؑ وہ شخصیت ہیں جس نے اس حد کو متعین کرنے اور بنی امیہ کا مقابلہ کرنے میں امامؑ کے قدم بہ قدم چل کر حق و باطل کی اس جنگ میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ حضرت عباسؑ نے اپنی ۳۴ سالہ زندگی کے دوران، مکتب علوی میں پروان چڑھ کے والد کے دور حکومت اور دونوں بھائیوں کی امامت کے دور میں امامت و ولایت اہل بیتؑ کے نظام کا دفاع کیا اور اس راہ میں باطل سے ہر طرح کی مقابلہ آرائی میں ایک بامعرفت محامی و مدافع امامت کی حیثیت سے حاضر رہے۔

امام حسنؑ کے ساتھ اُنکی ہمدلی اور ہمراہی اور ایک مخلص پیروکار کی شکل میں امام حسینؑ کے قدم بہ قدم چلنا اُن کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات میں باب الحوائج حضرت عباس علیہ السلام کی فضیلت اور اُنکی اہم خصوصیات بہت روشن انداز میں بیان ہوئی ہیں جو حضرت عباسؑ کے بلند مقام و مرتبے کی نشاندہی کرتی ہیں، جن میں سے بعض روایات کو اس مختصر مضمون میں ذکر کیا جائے گا۔

حضرت عباسؑ کی ولادت

شہنشاہ اقلیم وفا، شیر نیستان کربلا، علمدار سپاہ سید الشہداء، باب الحوائج، حضرت عباسؑ ابن علیؑ عباس علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۴ شعبان المعظم سنہ ۲۶ ہجری کو مدینۂ منورہ میں ہوئی، حضرت علی علیہ السلام آپؑ کی ولادت کی تمنا پوری ہونے کے بعد جب اپنی آغوش میں آپؑ کو لیتے ہیں تو بے حد مسرور ہو کر کبھی رخسار کو اور کبھی دست و بازو کو چومتے ہیں اور آئندہ رونما ہونے والے واقعہ کربلا کو یاد کر کے بے ساختہ اشکبار ہوتے ہیں، عباسؑ کی ولادت نے علیؑ کے گھر میں نور امید کی کرنیں بکھیریں، کیونکہ علیؑ نے عباسؑ کی تمنا کربلا کے لئے کی تھی تاکہ یہ بیٹا کربلا میں حسینؑ کا علمبردار بنے اور بھائی حسینؑ کی نصرت میں اپنی جان قربان کرے۔

حضرت عباسؑ کی مادر گرامی جناب فاطمہ کلابیہ کنیت ام البنین خاندان بنی کلاب سے تھیں اور آپ کے ایمان اور فرزندان رسول ﷺ کی نسبت محبت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ انہیں اپنی اولاد پر ترجیح دیتی تھیں اور خود اہل بیت رسول ﷺ کی ایک کنیز اور بچوں کو حسنین علیہما السلام کے غلاموں کی طرح تربیت کی، جب واقعہ کربلا در پیش آیا تو اپنے بیٹوں کو امام حسینؑ پر قربان ہونے کی خاص تاکید کی اور ہمیشہ جو لوگ کربلا اور کوفہ سے خبریں لے کر آرہے تھے اُن سے سب سے پہلے امام حسینؑ کے بارے میں سوال کرتی تھیں۔

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام ائمہ معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں

۱۔ حضرت علی علیہ السلام

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں: «اِنَّ وَلَدِی الْعَبّاس زَقَّ الْعِلْمَ زَقّاً» میرے فرزند عباسؑ نے اس طریقے سے مجھ سے علم و دانش حاصل کیا جس طرح پرندے کا ایک بچہ اپنی ماں سے دانہ پانی حاصل کرتا ہے[۱]

۲۔ امام سجاد علیہ السلام

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے چچا حضرت عباس علیہ السلام کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کیا کرتے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے لئے اُن کی قربانیوں کو یاد کرتے تھے اور اُن کی جانبازیوں کی ہمیشہ تعریف و ستائش فرمایا کرتے تھے۔

ایک دن امام سجاد علیہ السلام کی نگاہ عبید اللہ بن عباسؑ پر پڑی تو آپکی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اپنے چچا عباسؑ کو یاد کر کے فرمایا: رسول خداؐ کے لئے روز اُحد سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں تھا، اس دن آپ کے چچا حضرت حمزہ کو جو آپ کے شیر دلاور تھے شہید کر دیا گیا۔ بابا حسینؑ کے لئے بھی کربلا سے زیادہ سخت دن نہیں تھا اس لئے اس دن عباسؑ کو جو حسینؑ کے شیر دلاور تھے شہید کر دیا گیا، اس کے بعد امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللهُ العَبّاسَ! فَلَقَد آثَرَ وأبلى وفَدى أخاهُ بِنَفسِهِ حَتّى قُطِعَت يَداهُ، فَأَبدَلَهُ اللهُ عز و جل بِهِما جَناحَينِ يَطيرُ بِهِما مَعَ المَلائِكَةِ فِي الجَنَّةِ، كَما جَعَلَ لِجَعفَرِ بنِ أبي طالِبٍ، وإنَّ لِلعَبّاسِ عِندَ اللهِ تَبارَكَ وتَعالى مَنزِلَةً يَغبِطُهُ بِها جَميعُ الشُّهَداءِ يَومَ القِيامَةِ[۲]

خداوند متعال میرے چچا عباسؑ پر رحمت نازل فرمائے جنھوں نے قربانی دی اور امتحان کی گھڑی سے نہایت خوبصورت انداز میں عہدہ بر آ ہوئے۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو بھائی پر قربان کر دیا حتی کہ اس راہ میں آپؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔

خداوند متعال نے اُن دنیاوی ہاتھوں کی جگہ جعفر طیار بن ابی طالب علیہما السلام، کی طرح اُنہیں بھی دو بال عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں، عباسؑ کو خدا کی بارگاہ میں وہ منزلت و مرتبت حاصل ہے کہ روز قیامت تمام شہداء اُن کے مقام و مرتبے پر غبطہ کریں گے۔

امام سجادؑ کے کلام سے علمدار کربلا کی عظمت کے بعض حقیقی پہلو روشن ہوتے ہیں، آپؑ وفا و اطاعت میں ایسے کہ کائنات کے لئے مثال بن گئے، کبھی اپنے زمانے کے امامؑ سے آگے نہیں بڑھے اور کبھی امامؑ کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو ترجیح نہیں دی، آپؑ عارف تھے اور معرفت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و امامؑ کے مالک تھے۔

---

۱. مقرّم، مقتل الحسین، بیروت، دار الکتاب، ص ۱۶۹

۲. الأمالی للصدوق: ص ۵۴۷ ح ۷۳۱

۳-امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

عن المفضل بن عمر: قَالَ الصّادِقُ علیه السلام: كَانَ عَمُّنَا العَبّاسُ نافِذَ البَصيرَةِ، صَلبَ الإِيمانِ، جاهَدَ مَعَ أَبي عَبدِ اللهِ الحُسَينِ عليه السلام، وأَبلى بَلاءً حَسَناً، ومَضى شَهيداً[۱]۔ مفضل ابن عمر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت ابوالفضلؑ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں: میرے چچا عباسؑ نافذ بصیرت اور محکم ایمان کے مالک تھے، اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کیا بہترین انداز سے امتحان کی گھڑی سے عہدہ برآ ہوئے اور شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں حضرت عباسؑ کی بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔

۳۔۱۔ بصیرت اور دور اندیشی

بصیرت حضرت ابوالفضل العباسؑ کی برجستہ ترین خصوصیات میں سے ہے۔ آپ اپنی بصیرت کی بدولت ہی اپنے امام وقت، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی حمایت و پیروی کے لئے کھڑے ہوئے اور اس راہ میں وفا کی آخری منزلوں تک پہنچ کر دین خدا کی حمایت اور امام وقت کی اطاعت و نصرت میں اپنے دونوں ہاتھ کٹوا کر اپنی جان قربان کی۔

۳۔۲۔ ایمانِ محکم

حضرت عباسؑ کی دوسری اہم صفت آپؑ کا پختہ ایمان ہے۔ محکم ایمان کی نشانی یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مل کر جہاد کیا جس کا ہدف فقط اللہ کی رضا و خوشنودی کا حصول تھا جو روز عاشورہ آپکے رجز سے ثابت ہے کہ آپؑ کربلا میں دنیا کے لئے نہیں بلکہ خدا کی خشنودی کے لئے آئے تھے اور جانتے تھے کہ اللہ کی اطاعت و محبت امامؑ کی محبت و اطاعت میں مضمر ہے اور امام حسینؑ کی مدد و ہمراہی دراصل خدا کے دین کی حمایت و مدد ہے۔

۳۔۳۔ امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ جہاد و شہادت

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے چچا حضرت عباسؑ نے اپنے بھائی کے ساتھ ملکر جہاد کیا، اور جام شہادت نوش کیا اور آزمائش کی گھڑی سے سرخرو ہو کر عہدہ برآ ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کی مستند زیارت میں آپکی اعلیٰ صفات اور اللہ کی بارگاہ میں آپؑ کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

۱. سرّ السلسلۃ العلویۃ: ص ۸۹

السلام علیك ایها العبد الصالح المطیع للہ و لرسوله و لامیر المؤمنین و الحسن و الحسین...اشھد اللہ انك مضیت علی ما مضی به البدریون و المجاھدون فی سبیل اللہ المناصحون فی جھاد اعدائه المبالغون فی نصرۃ اولیائه الذابون عن احبائه....[1]

سلام ہو آپ پر اے بندہ صالح! اے اللہ، اس کے رسول ﷺ، امیر المؤمنینؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے مطیع و فرمانبردار، میں گواہی دیتا ہوں اور خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ آپ بدر کے مجاہدین کی راہ پر گامزن ہوئے اور خدا کے راستے میں راہ خدا کے مجاہدین اور خدا پسند روشن ضمیروں اور خدا کے دوستوں کی طرح اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور خدا کے دوستوں کے مدافعین اور اس کے اولیاء کے مددگاروں کے حامیوں کی مانند آگے بڑھے اور اُن ہی کی مانند کوشش کی، پس خداوند متعال وہ مکمل ترین، بہترین اور والاترین پاداش آپؑ کو عطا فرمائے جو وہ اپنے اولیائے امر کے فرمانبرداروں اور اپنی دعوت کو لبیک کہنے والوں کو عطا فرماتا ہے۔

۴۔ حضرت مہدی عجّل اللہ تعالی فرجہ الشّریف

حضرت امام زمانہ (عج)، اپنے چچا حضرت عباسؑ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں: السَّلامُ عَلَى أَبِي الفَضلِ العَبّاسِ بنِ أميرِ المُؤمِنينَ، المُواسى أخاهُ بِنَفسِهِ، الآخِذِ لِغَدِهِ مِن أمسِهِ، الفادى لَهُ الواقى، السّاعى إلَيهِ بِمائِهِ، المَقطوعَةِ يَداهُ، لَعَنَ اللهُ قاتِلَيهِ۔ (مفاتیح الجنان شیخ عباس قمی)۔ سلام ہو ابوالفضل العباس بن امیر المؤمنینؑ پر، اپنے بھائی کے عظیم ہمدرد پر جن کی راہ میں آپؑ نے اپنی جان قربان کی، اور گذشتہ کل پر آئندہ کل کے اجر و پاداش کو ترجیح دی، وہی جو بھائی کے فدائی تھے اور بھائی کی حفاظت کی اور بھائی کو پانی پہنچانے کی کوشش کی اور آپؑ کے ہاتھ قلم ہوئے، خداوند متعال ابوالفضلؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔

امام زمانہ (عج) نے اپنے اس کلام میں اپنے چچا عباسؑ کی بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے: ۱۔ بھائی امام حسینؑ کے ساتھ بے مثال ہمدردی اور ہمراہی اور وفاداری۔ ۲۔ تقویٰ کے ذریعے زاد آخرت کی فراہمی، دنیا پرستی سے پرہیز، اور اپنے زمانے کے امامؑ کی مدد کرنا۔ ۳۔ امام حسین علیہ السلام کی راہ میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی جانیں قربان کرنا۔ ۴ - نہر فرات پر شدید پہرے اور تیر و تلوار کی بارش کے باوجود اپنے زمانے کے امام اور بھائی اور بھائی کے اہل خانہ کے لئے پانی پہنچانے کی کوشش کرنا، اور اسی راہ میں جام شہادت نوش کرنا۔ یقیناً دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام سے بھی جناب عباسؑ کی عظمت و فضیلتوں کے بارے میں ضرور مطالب موجود ہونگے مگر ضیق وقت اور مضمون کے اختصار کی وجہ سے دسترسی نہیں ہوسکی جسکے لئے قارئین کرام مزید تحقیق کرسکتے ہیں، میری نظر میں باب الحوائج حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے لئے سب سے اہم فضیلت یہ ہے کہ شہزادی کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے آپؑ کو اپنا بیٹا کہا حضرت زہراؑ نے ایک زائر حسینؑ سے خواب میں فرمایا کہ "تزور ابنی الحسین و لا تزور ابنی العباس الاقلیلا"، میرے ایک بیٹے حسینؑ کی تو زیارت کرتا ہے اور میرے دوسرے بیٹے عباسؑ کی زیارت کو نہیں جاتا مگر کم جاتا ہے، اسی طرح روز محشر امت کی

---

[1]. مفاتیح الجنان ص ۴۳۵، کامل الزیارات، ص ۷۸۶

شفاعت کے لئے حضرت عباسؑ کے ہاتھوں کو خداوند متعال کی بارگاہ میں پیش کریں گی اور آپ (س) کا ارشاد ہوگا **کفانا لأجل هذا المقام اليدان المقطوعتان من ابني العباس**"[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس وقت جب کہ حضرت عباس علیہ السلام جنگ کی اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ "**يا أَخِي أَنْتَ صَاحِبُ لِوَائِي وَإِذَا مَضَيْتَ تَفَرَّقَ عَسْكَرِي**" اے بھائی تم تو میرے لشکر کے علمبردار ہو اگر تم شہید ہوگئے تو پھر میرا سارا لشکر بکھر جائے گا امام حسین علیہ السلام کا یہ بیان واضح کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام تنہا حضرت عباسؑ کو لشکر کے برابر سمجھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباسؑ پر کس درجہ اطمینان اور بھروسہ تھا۔

لاکھوں میں اکیلا جو دلاور نظر آئے　　　اُس شخص کی تنہائی بھی لشکر نظر آئے

حضرت عباس علیہ السلام کی حیثیت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دفن شہداء کے لئے کربلا تشریف لائے تھے تو آپ نے دیگر شہداء کے دفن میں بنی اسد سے مدد لی تھی، اور حضرت امام حسین اور حضرت عباس علیہ السلام کا لاشہ خود تن تنہا دفن کیا تھا۔ خود قبر میں اترے تھے کسی نے کہا: مولا ہم مدد کریں تو فرمایا "**إنّ معي من يعينني**" "ان کے دفن کے لئے ہمارے پاس مددگار موجود ہیں، اور ہم ان کی مدد سے دفن کر رہے ہیں"[2]۔

تتمہ

ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول مذکورہ احادیث و زیارات کے فقرات سے حضرت عباسؑ کی عظمت کا ایک بہت بڑا سبب آپ کی امامؑ شناسی، ولایت کی معرفت اور اپنے زمانے کے امامؑ کی اطاعت و وفاداری ہے، آپؑ کی ذات گرامی کی نمایاں ترین صفت اپنے امام کا مطیعِ محض ہونا ہے، چاہے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی کا زمانہ ہو یا اُسکے بعد امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا دور ہو یا پھر روز عاشور پیش آنے والے واقعات ہوں، آپ سراپا اطاعت تھے، آپؑ کی ذات والاصفات بے نظیر قدر و منزلت، عظمت، شجاعت، جذبۂ اطاعت اور ایثار و فداکاری کا پیکر ہے، امامؑ کی بنسبت آپ کی معرفت، ایمان، اطاعت اور بصیرت و دوراندیشی ہی کا سبب ہے جو حاملان عصمت آپ کی مدح و ثنا کرتے نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام: زیر نظر مضمون میں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بس انہیں مختصر مطالب پر اکتفا کرتے ہوئے گزارش کی جاتی ہیکہ حضرت عباسؑ کی اور مزید معرفت حاصل کرنے کے لئے آپؑ کے کردار، صفات، کرامات اور فضیلت، آپؑ کے کمالِ ایمان، وفا، علم و فقہ، عصمت و عدالت، تعلیم و تربیت، زہد و تقویٰ، صبر و شکر، شجاعت، علمداری، معراج سقایت، اور اُنکی پاک طینت پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں اور حضرتؑ کی حیات طیبہ کو اپنے لئے سرمشق عمل قرار دیں۔

---

[1]. اسرار الشهادات ص ۳۲۵، کتاب جواہر الایقان صفحہ ۱۹۴

[2]. دمعہ ساکبہ ص ۳۵۵، قمر بنی ہاشم ص ۵۸

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور نشر پیغام کربلا

سید عمار رضا نقوی

۶۱ ہجری میں کربلا کی سرزمین پر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس کی صدائے بازگشت آج ۱۴۰۰ سال بعد بھی ہماری سماعتوں میں گونج رہی ہے۔ کربلا کا واقعہ تاریخ اسلام و انسانیت کا ایک نہایت اہم باب ہے جس میں حق و باطل کی ازلی اور ابدی کشمکش عروج پر پہنچی۔ حق کی علمداری حسین ابن علی کر رہے تھے تو باطل کی نمائندگی یزید ابن معاویہ۔ یزید کا مقصد محض امام سے بیعت لینا نہیں تھا بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باطل کے سامنے حق کو سرنگوں کرنا چاہتا تھا۔ امام یہ پیغام دیتے ہوئے اٹھے کہ میں اپنی اور اپنے پیاروں کی جان دے سکتا ہوں مگر باطل کی چوکھٹ پر حق کو سرنگوں ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ امام نے عاشور کے دن اپنے رفقاء سمیت جام شہادت نوش کر کے حق و باطل کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی۔ اب آپ کے پیغام کی حفاظت اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری امام سجادؑ اور جناب زینب کی تھی جسے ان دونوں شخصیتوں نے بخوبی ادا کیا۔

جناب زینب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور شہزادی کائنات جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹی تھی۔ عصمتوں کے گودیوں میں پروان چڑھنے والی زینب بن علی عفت و پاکدامنی میں اپنی ماں فاطمہؑ کا عکس تھی تو علم و فضل میں بابا امیر المومنینؑ کی تصویر۔ آپ کی ذات میں علم و تقویٰ، عفت و شجاعت اور ایثار و قربانی کے عناصر ایک حسین گلدستہ کی طرح مہک رہے تھے۔

جب امام عالی مقام کربلا روانہ ہوئے تو زینب شریکۃ الحسین بن کر آپ کے ساتھ چلی۔ عصر عاشور امام کی شہادت تک سارے مصائب و آلام میں برابر شریک رہی۔ سفر کی صعوبتوں سے لے کر، بچوں کی پیاس اور عزیزوں کی شہادت تک آپ نے ہر مشکل کا سامنا صبر و تحمل اور حوصلے سے کیا۔ امام کی شہادت کے بعد تو زینب گویا حسین بن گئی۔ بچوں کی حفاظت، بیبیوں کی دلجوئی اور سب سے بڑھ کر بھائی کے مشن کی تبلیغ کی سنگین ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آ گئی جسے آپ نے اس انداز میں نبھایا کہ مورخ انگشت بدنداں ہیں۔

گیارہ محرم کو جناب زینب کو دیگر اسرا کے ساتھ پہلے کوفہ اور پھر شام لے جایا گیا۔ اس دوران جناب زینب نے بازاروں سے لے کر درباروں تک مختلف خطبے دئے جو تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان خطبوں میں آپ نے اموی حکومت کے ظلم و ستم کو بے نقاب کیا۔ آپ کے آتشیں خطبوں سے اموی حکومت کی چولیں ہل گئیں۔ یہاں تک کہ یزید اس دلخراش واقعہ کی ساری ذمہ داری اپنے گورنر ابن زیاد پر ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو اسے بہر حال ایک فکری، عقیدتی نظام کی ضرورت ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی پالیسیوں اور اپنے اقدامات کی توجیہات کر سکے۔ اموی حکومت اپنی جگہ پر ایک مطلق العنان، طاقتور اور ظالم و جابر حکومت تھی پھر قتل امام کے لئے قاضی شریح اور دوسرے نام نہاد علما سے فتوا لیا گیا تاکہ اپنے اس عمل شنیع کو شرعی رنگ دے کر عوام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ عین مطابق شریعت تھا۔ ظاہر ہے اگر حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جائے تو نہ صرف عوامی بغاوت کا خطرہ ٹل جائے گا بلکہ لوگ بوقت ضرورت عملی طور پر بھی حکومت کی حمایت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ امام حسینؑ کی شہادت تک حکومت کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے نہ صرف مخالفت نہیں کی بلکہ فوج میں شامل ہو کر فرزند رسول کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنے کربلا آ گئے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: تیس ہزار لوگ ہمارے جد امام حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے **"و کل یتقربون الی اللہ بدمہ"** اور سب کے سب آپ کے قتل کے ذریعہ خداوند عالم کی قربت حاصل کرنا چاہتے تھے[1]۔ کیونکہ ان سب کا خیال تھا کہ یزید خلیفہ برحق ہے اور حسینؑ نے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کیا ہے اس لئے ان کے خلاف جنگ کرنا ضروری ہے۔

عاشور کے بعد بھی پوری حکومتی مشینری کی یہی کوشش تھی کہ لوگوں پر حقیقت نہ کھلنے پائے اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ معاذ اللہ حسین باغی تھے اور ان کا قتل شریعت کے مطابق بالکل جائز تھا بلکہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ حسین کا قتل ہم نے نہیں بلکہ خود خدا نے کیا۔ اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے عقیدہ جبر کا سہارا لینا اور اپنے کارناموں کی ذمہ داری خدا پر ڈالنا ظالم حکومتوں کا وتیرہ رہا ہے۔ کربلا میں فرزند رسول کی دردناک شہادت کے بعد حکومتی مشینری اور یزید کے زرخرید نام نہاد علما، راویان اخبار اور خطباء نے اسی عقیدہ کے ذریعہ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کربلا میں حسینؑ کی (ظاہری) ناکامی اور یزید کی کامیابی مشیت پروردگار ہے۔ خدا چاہتا تھا کہ یزید کو فتح نصیب ہو اور حسینؑ قتل کر دئے جائے۔ لیکن جناب زینبؑ دشمن کے تبلیغی حربے سے بخوبی واقف تھی۔ آپ نے اپنے متین اور مستدل بیانات سے بنی امیہ کے اس فکری اور عقیدتی نظام کو نشانہ بنایا اور کربلا میں ہونے والے تمام جرائم کے لئے یزیدی حکومت کو ذمہ دار قرار دیا۔ چنانچہ جب اہل حرم کو قید کر کے دربار ابن زیاد میں پیش کیا گیا تو ابن زیاد نے کہا: **" الحَمدُ للهِ الَّذی فَضَحَکُم وقَتَلَکُم وأکذَبَ احدوثتکم "** ساری تعریف اس اللہ کی جس نے تمہیں (معاذ اللہ) ذلیل کیا اور تمہیں قتل کیا اور تمہارے جھوٹ کو آشکار کیا۔ جناب زینبؑ نے پوری ہمت اور شجاعت کے ساتھ جواب دیا: **"الحَمدُ للهِ الَّذی أکرَمَنا بِمُحَمَّدٍ وطَهَّرَنا تَطهیرًا، إنَّما یَفتَضِحُ الفَاسِقُ وَیَکذِبُ الفَاجِرُ وَهُوَ غَیرُنا"**

شہزادی جانتی تھی کہ دشمن جھوٹ اور فریب کا سہارا لے کر اپنے شرمناک اعمال کو شرعی رنگ دینا چاہتا ہے۔ آپ نے اپنے مختصر مگر دندان شکن جواب سے اس کے حربہ کو ناکام کر دیا۔ آپ نے واضح کر دیا کہ ہم اہل بیت ہیں جن کی شان میں اللہ نے آیت تطہیر نازل کی

[1] - حق و باطل، شہید مرتضیٰ مطہری، ج ۱، ص ۵۳

ہے۔ اللہ نے ہمیں معصوم بنایا ہے اور معصوم نہ رسوا ہوتا ہے اور نہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے ۔ یہ دونوں باتیں فاسق و فاجر میں ہوتی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ فاسق و فاجر یزید اور موالیان یزید ہے ہم نہیں۔ اس جواب سے ابن زیاد تلملا اٹھا کہنے لگا: " كَيْفَ رَأَيْتِ صُنْعَ اَللّٰهِ بِأَهْلِ بَيْتِكِ " دیکھا اللہ نے تمہارے گھر والوں کے ساتھ کیا کیا؟۔ ایک بار پھر دشمن اپنے سیاہ کارنامے کو خدا سے منسوب کر کے سادہ لوح عوام کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ پروردگار کی مشیت تھی۔ بی بی نے پوری قوت کے ساتھ جواب دیا: مَا رَأَيْتُ إِلاَّ جَمِيلاً ، میں نے اللہ کی جانب سے سوائے خیر اور جمال کے کچھ نہیں دیکھا۔ گویا شہادت اور راہ خدا میں جان و مال کی قربانی خیر اور حسن ہے جس میں ہم اور ہمارا گھرانا پیش قدم رہا ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتی ہیں: میرا بھائی اور اس کے اصحاب و انصار کے مقدر میں اللہ نے شہادت لکھی تھی۔ انہوں نے اپنے اختیار سے خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے شہادت کو گلے لگا لیا۔ عنقریب اللہ انہیں اور تمہیں ایک مقام پر جمع کرے گا اور فیصلہ ہوگا۔ اس دن کے لئے جواب تیار رکھنا۔ اس طرح بڑی خوبصورتی اور مضبوطی کے ساتھ بی بی نے اموی فکری نظام کو نشانہ بنا کر ، اپنے سیاہ کارناموں کو شرعی رنگ دینے کی ابن زیاد کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ حالات کی نزاکت، مصائب و آلام کی کثرت، اسیری اور بازاروں اور درباروں میں بے حرمتی کو دیکھئے اور پھر بی بی کے ان جوابات کو ملاحظہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ آپ نے کتنے صبر و تحمل اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے بھائی کے مشن کو آگے بڑھایا اور دشمن کی ہر چال کو ناکام بنایا ہے۔

اس کے بعد اہل حرم کو شام لے جایا گیا۔ شام میں خاص طور سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا تھا کہ ایک باغی تھا جس نے حاکم کے خلاف خروج کیا تھا اس لئے اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔ شام پر عرصہ چالیس برس سے بنی امیہ کی حکومت تھی۔ بنی امیہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ شامی عوام کو بے خبری اور غفلت کا شکار بنا کر رکھا تھا۔ انہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ حقیقت میں اہل بیت کون ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یزید اور اس کے گھر والے ہی اہل بیت ہیں جن کے قصیدے اللہ نے قرآن میں پڑھے ہیں۔ اب جناب زینب اور امام سجاد کے سامنے غفلت کے دبیز پردے کو چاک کرنے اور لوگوں کو حقیقت سے روبرو کرانے کی مشکل چنوتی تھی جسے ان دونوں ہستیوں نے خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا۔ اس مقصد کے لئے اہل بیت علیہم السلام کا تعارف اور ان کے فضائل و مناقب کا بیان ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کے مقابلے شام میں دئے گئے خطبات میں ہمیں اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب کا بیان زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

یزید کے دربار میں جب شہزادی کی نظر اپنے بھائی کے خون آلود سر پر پڑی تو آپ نے جس غمناک انداز میں امام کے فضائل بیان کئے اس سے لوگوں کے دل دہل اٹھے: ائے حسین! ائے محبوب خدا! ائے مکہ و منیٰ کے بیٹے! ائے فاطمہ زہرا سیدہ نساء العالمین کے بیٹے، ائے مصطفیٰ کی بیٹی کے بیٹے! غم و الم میں ڈوبے ہوئے ان جملوں سے شہزادی نے شام کے بے خبر عوام کو بتایا دیا کہ حسین کون

ہیں اور ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کیا رشتہ ہے؟ اس کے بعد آپ نے اپنا وہ معروف خطبہ دیا جس سے قصر باطل لرزہ بر اندام ہو گیا۔ آپ نے حمد و ثنائے پروردگار اور رسول و آل رسول پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دئے ہیں اور رسول کی آل کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر در بدر پھرانے سے تو خدا کی بارگاہ میں سرفراز ہوا اور ہم رسوا ہوئے ہیں؟ کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تو ظالم بن کر سربلند ہوا ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے؟۔ آج تو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے، مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اترا رہا ہے۔ اور خلافت کے ہمارے مسلمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ہوش کی سانس لے۔ کیا تو نے خدا کا یہ فرمان بھلا دیا ہے کہ حق کا انکار کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں یہ ان کے حق میں بھلائی ہے، ہم انہیں مہلت اس لیے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں، اور ان کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے۔

اس طرح آپ نے یزید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سارے دربار کے سامنے واضح کر دیا کہ یزید کی حکومت شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس لئے اس پروپیگنڈے میں کوئی دم نہیں ہے کہ حسینؑ نے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کیا تھا اس لئے ان کا قتل جائز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت حسینؑ کا مسلم حق تھی جسے یزید نے اپنے باپ کے مکر و فریب کے بل پر حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے اس نے فرزند رسول کو قتل کر کے آتش جہنم کو دعوت دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"اے طلقاء کے بیٹے! کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں بٹھا رکھا ہوا ہے جبکہ رسول زادیوں کو سر برہنہ در بدر پھرا رہا ہے۔ تو نے مخدرات عصمت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔ تیرے حکم پر اشقیاء نے رسول زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔"

اس طرح آپ نے واضح کر دیا کہ ہم ترک و دیلم کی کنیزیں نہیں ہیں بلکہ رسول اکرم کی بیٹیاں ہیں جنہیں یزید نے سر برہنہ بازاروں اور درباروں میں پھرایا ہے۔ اور یزید نہ صرف خلیفہ برحق نہیں ہے بلکہ "طلقاء" میں سے ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"تو جتنا چاہے مکر و فریب کر لے اور بھرپور کوشش کر کے دیکھ لے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو نہ تو ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے مٹا سکتا ہے اور نہ ہی وحی الٰہی کے پاکیزہ آثار محو کر سکتا ہے۔"

اس طرح آپ نے یزید کی اس درپردہ سازش کو بھی بے نقاب کر دیا جس کے تحت وہ وحی الٰہی کا انکار کر کے اسلام کو جڑ سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ آپ نے واضح کر دیا یزید چاہے کچھ بھی کر لے مگر ذکر اہلبیت کو مٹایا جا سکتا ہے نہ اسلام کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اب اسے ذات

واجب الوجود پر شہزادی کا ایمان و یقین کیئے یا حالات و آثار کی روشنی میں مستقبل کو دیکھ لینے والی دور اندیشی کہ شہزادی کی پیشین گوئی مو بمو سچ ثابت ہوئی اور آج چودہ سو برس بعد بھی ذکر اہلبیت پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے اور اسلام بھی روز بروز ترقی کے مدارج و منازل طے کر رہا ہے۔ دوسری طرف یزید اپنی حکومت کے ساتھ تاریخ کے مزبلے میں دفن ہو چکا ہے اور کچھ پست فطرت لوگوں کے سوا کوئی اس کا نام لیوا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام حسین علیہ السلام کربلا میں جو مشن لے کر آئے تھے اسے جناب زینب سلام اللہ علیہا نے پوری کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آج اگر کربلا اور کربلا کا پیغام زندہ ہے تو اس کا سہرا عاشور کے بعد جناب زینب اور امام سجاد علیہما السلام کی تبلیغی سرگرمیوں کو جاتا ہے۔ ہمارا اسلام ہو ان عظیم ہستیوں پر جنہوں نے انتہائی پر آشوب حالات میں بھی امام کے مشن کو آگے بڑھایا اور لوگوں کو حقیقت سے روبرو کرایا۔

باتوں کو ترازو کی طرح تولنے والی
بھائی کی شہادت کی گرہ کھولنے والی
تاریخ کی آنکھوں میں حیا گھولنے والی
وہ فاتحِ خیبر کی طرح بولنے والی
اسلام کو روشن بصد اعزاز کیا ہے
عباسؑ کے پرچم کو سرافراز کیا ہے
اسلام کا سرمایہء تسکین ہے زینبؑ
ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینبؑ
حیدرؑ کے خدوخال کی تزئین ہے زینبؑ
شبیر ہے قرآن تو یاسین ہے زینبؑ

شاعر اہل بیتؑ محسن نقوی

خطبہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا میں ادبی نکات

محمد تقی رضا

زینب کبری سلام اللہ علیہا کی ذات والا مقام وہ ہے جس نے خانوادہ نبوت اور امامت میں آنکھ کھولی وہ علیؑ و بتولؑ کی بیٹی اور خاتم المرسلین ﷺ اور ملکیۃ العرب خدیجۃ الکبری سلام اللہ علیہا کی نواسی اور جوانان جنت کے سردار امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی بہن ہیں جن کا تعلق ایسے خاندان سے ہے کہ جو دنیا میں شرافت، بزرگی، حلم اور دیگر صفات اور اخلاق میں بے نظیر و بے مثال ہے لہذا ایسے گھر اور خاندان میں آپؑ نے جنم لیا اور آغوش عصمت میں تربیت پائی معصومینؑ کے ساتھ زندگی گزاری یہاں تک کہ سات منصوص من اللہ معصومین کا بابرکت دور دیکھا لہذا کردار و گفتار کے اعتبار سے تالی تلو معصومینؑ بن گئیں آپ گفتگو اور خطابت میں اپنے پدر عالی مقام کی مکمل تصویر تھیں شاید اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے آپ کا نام زینبؑ رکھا تھا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ ایک روز میری یہ نواسی کوفہ و شام میں اہل بیتؑ اور بالخصوص اپنے باپ کے لئے زینت قرار پائے گی لہذا آپ کا نام زینب رکھا، ایک دن آپ ﷺ نے حضرت زینبؑ کو گود میں لے کر منہ پر منہ رکھ کر گریہ کیا تو آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ عظیم مصائب میں مبتلا ہو گی۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی خطابت میں وہ بلاغت تھی جب کوفہ میں شہادت امام حسینؑ کے بعد خطبہ دیا تو لوگوں کو حضرت علیؑ کا زمانہ یاد آگیا بعض نے کہا کہیں علیؑ تو نہیں آگئے، انداز بیان، جملوں کی ساخت، الفاظ کا استعمال، معانی و مطالب اور محتوی اس عالی منزل پر تھے کہ ہمارے چوتھے امامؑ نے فرمایا: "انت عالمة بحمد الله غير معلمة"

زیر نظر مضمون میں ہم نے یہ قصد کیا ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے خطبات میں پائے جانے والے بعض ادبی نکات کو بیان کریں۔

عربی زبان میں اگر کوئی جملہ یا تقریر ادبی ہو تو اسے فصیح اور بلیغ کہا جاتا ہے، فصیح کا مطلب یہ ہے کہ کلام واضح ہو، ثقیل نہ ہو، ادبی قواعد کے خلاف نہ ہو، کلام میں الجھاؤ نہ ہو، اور بلیغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام زمانے کے مطابق ہو جیسے کہ اگر کوئی انسان بچے کے سامنے بولتا ہے تو الگ انداز انتخاب کرتا ہے اور جب بزرگوں کے سامنے بولتا ہے تو الگ انداز ہوتا ہے۔ جاہل کے سامنے دوسرا انداز انتخاب کرتا ہے اور عالم کے نزدیک کوئی اور انداز انتخاب کرتا ہے اسے بلاغت کہا جاتا ہے۔ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا کے خطبے فصیح بھی تھے اور بلیغ بھی تھے یہاں تک کہ راوی کہتا ہے «لم أرَ خَفِرَةً قطّ، أنطقَ منها، كأنّها تُفرِغُ عن لسان امير المؤمنين» میں نے ان سے پہلے کبھی بھی کوئی ایسی خاتون نہیں دیکھی جو بولنے میں اتنی ماہر، فصیح اور بلیغ ہو کہ جیسے وہ امیر المومنین علیہ السلام کی زبان سے بول رہی

ہو۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ کوئی بھی بہتر سے بہتر خطیب اور تقریر کرنے والا خطابت کے لیے تیاری کرتا ہے اور بغیر تیاری کے فصیح و بلیغ خطبہ نہیں دے سکتا لیکن جناب زینبؑ اس حالت میں کہ اسیر ہیں اور سفر کی تھکان اور اپنے عزیزوں کی شہادت میں غمزدہ ہیں، لیکن دفعتۃً ایسا خطبہ دیتی ہیں کہ سب انگشت بدندان ہو جاتے ہیں۔

ہمارے عربی ادب کے استاد کا بیان ہے کہ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ ثابت کرسکوں کہ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا کا خطبہ مولائے کائنات کے خطبے سے ایک درجہ نیچے ہے لیکن میں قاصر رہا اور مجھ کو جس کمال پر امیر کائنات کا خطبہ نظر آیا اسی کمال پر زینب کبری کا خطبہ دکھائی دیا آپؑ کے خطبوں کا ایک ایک جملہ ادبی نکات سے مملو ہے اُن میں سے کچھ نکات یہ ہیں:

۱۔ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا اپنے خطبے میں قرآن کی آیت سے استفادہ کرتے ہوئے کوفے کے لوگوں کو ایک ایسی بے وقوف عورت سے تشبیہ دی ہے۔ جو صبح سے دوپہر تک اپنی کنیزوں کے ساتھ روئی سے دھاگہ بناتی تھی اور پھر دوپہر سے رات تک اس کو دوبارہ روئی میں تبدیل کر دیتی تھی «فما مثُلُكم الا كالتى نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا تتخذون أيمانكم دخلا بينكم» جناب زینب سلام اللہ علیہا اس تشبیہ کے ذریعے یہ بتانا چاہتی تھیں کہ تم لوگوں نے ہم کو خط لکھا، ہمیں بلایا، ہمارے ساتھ ہوئے، ظلم کے خلاف آواز اٹھانا چاہی، لیکن سب کام مضبوط ہونے کے بعد تم لوگوں نے قدم پیچھے ہٹالیا اور مضبوط ہوئے کام کو برباد کر دیا تم نے صرف ایک بیہودہ کام ہی نہیں کیا بلکہ تم نے ایک ایسا کام کیا ہے جس میں تمہارا ہی نقصان ہے جس طرح وہ قریشی عورت ”ریطہ بنت عمرو بن کعب“ روئی سے دھاگہ بنا کر اس کو دوبارہ روئی میں تبدیل کر دیتی تھی اسی طرح تم نے کیا اور اپنی فرصت کو گنوا دیا۔

بہت سے مقامات پر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبے میں قرآنی آیات سے اقتباس کیا ہے۔

۲۔ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا اسی خطبے میں کوفے کے لوگوں کی سرزنش کرتی ہیں لیکن سرزنش کے لیے خبری یا دعائی جملہ کے بجائے استفہام اور امر کا استعمال کرتی ہیں، استفہامی جملہ وہاں پر ہوتا ہے جہاں پر کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنا ہو اور امری جملہ وہاں پر ہوتا ہے جہاں پر کوئی چیز طلب کی جارہی ہو لیکن یہاں پر جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا نہ کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہتی ہیں اور نہ کوئی چیز طلب کرنا چاہتی ہیں بلکہ اس سوال اور امر کے ذریعے لوگوں کی سرزنش کر رہی ہیں یعنی اس کی جگہ کہ آپؑ یہ کہیں کہ وائے ہو تم پر، تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا، خدا تم کو خیر نہ دے، کہتی ہیں کہ کیا تم میرے بھائی کے لئے رو رہے ہو؟ ہاں خدا کی قسم روؤ! تم لوگوں کو رونا چاہیے آج کے بعد زیادہ رو و اور کم ہنسو۔ «أَتَبْكُونَ أَخِي؟! أَجَلْ، وَاللهِ فَابْكُوا فَإِنَّكُمْ أَحْرَى بِالْبُكَاءِ فَابْكُوا كَثِيراً وَاضْحَكُوا قَلِيلاً» یہ سوالی اور امری جملہ کسی چیز کو معلوم کرنے کے یا کسی چیز کو طلب کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ بددعا کے لیے ہے۔

۳۔ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا یزید لعنۃ اللہ علیہ کے دربار میں جب خطبہ دیتی ہیں تو یزید سے مخاطب ہو کر بیان کرتی ہیں کہ «فواللہِ مافریتَ الا جلدکَ ولاحززتَ الالحمَکَ» خدا کی قسم تم نے صرف اور صرف اپنی کھال کاٹی ہے اور صرف اور صرف اپنے گوشت کو زخمی کیا ہے، جناب زینبؑ اس جملے میں کنایہ سے کام لیتی ہیں، کنایہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی جملے کے دو معنی ہیں ایک قریبی معنی اور ایک دور کے معنا اور انسان اس لفظ کو کہہ کر دور والا معنی ارادہ کرے جیسے کہ اسی جملے میں قریب معنی یہ ہے کہ تم نے صرف اور صرف خود کو زخمی کیا لیکن دور کا معنا یہ ہے کہ تم نے صرف اور صرف اپنا نقصان کیا تم سوچتے ہو کہ تم نے ہمیں اسیر بنالیا ہے، ہمارے مردوں کو مار دیا ہے، تم جیت گئے ہو، اب تمہاری حکومت ہمیشہ کے لیے رہے گی لیکن ان سب کاموں سے تم نے صرف اپنا ہی نقصان کیا ہے تم ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے اور تمہیں تمہارے اس عمل کا جزا عنقریب ہی ملے گی، تم ہم کو مار کر اپنی حکومت مضبوط کرنا چاہتے تھے لیکن اب تمہاری حکومت زیادہ دنوں باقی نہیں رہے گی۔ اس خطبے میں بی بی نے ایک اور کنایہ استعمال کیا فرماتی ہیں کہ تم نے اپنی کنیزوں کو پردے میں رکھا ہے اور ہم اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کے سامنے لے آئے اور تم نے ہمارا پاس ولحاظ نہیں رکھا، اور ہم کو یہ امید بھی نہیں رکھنی چاہیے کیوں، تم اس گود کے پروردہ ہو کہ جس نے پاکیزہ انسان کے کلیجے کو چبایا، جس کی رشد نما پاک انسانوں کا خون بہا کر ہوئی لہذا ہم اس سے کیسے انتظار رکھ سکتے ہیں کہ وہ ہمارا پاس ولحاظ کرے؟ «کیف تُرتجیٰ مراقبۃُ من لفَظَ فوہُ أکبادَ الاذکیاء و نبَتَ لحمُہ بدماء الشھداء» اس جملے کے ذریعے بی بی اس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہیں کہ اولاد اپنے ماں باپ جیسی ہی ہوتی ہے، یعنی تیری دادی وہ تھی جس نے حمزسید شہداءؑ کا کلیجہ چبایا، تیرا گوشت پوست بھی اسی سے بنا ہے لہذا تجھ سے سنگدلی کے سوا کوئی توقع نہیں اس کے بعد زینب کبریؑ نے یزید کو «یا بن الطلقاء» خطاب کر کے ایسا ذلیل وخوار کیا کہ جس کی تلخی سے یزید کا دل کباب ہو گیا۔

۴۔ اسی طرح زینب کبریؑ نے اس خطبہ میں صیغہ امر کے قالب میں یزید کی تذلیل و تحقیر کی حتی اس کو اس طرح تھدید کی۔

«فَکِدْ کَیْدَكَ وَاسْعَ سَعْیَكَ وناصِبْ جُھْدَكَ فواللہ لا تمحُو ذکرنا ولا تُمیتُ وَحْیَنا» تجھ جو مکروفریب کرنا ہے کر، اور اپنی پوری کوشش کا استعمال کر (لیکن یاد رکھ) خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو نہیں مٹاسکتا، اور ہماری وحی کو نابود نہیں کر سکتا۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تو ایسا کر ہی نہیں سکتا اور اس کام سے بہت عاجز ہے بلکہ بہت حقیر اور ذلیل ہے۔

۵۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے دونوں خطبوں میں ایجاز دکھائی دیتا ہے، ایجاز کا مطلب یہ ہے کہ انسان بہت بڑی اور گہری باتوں کو کم لفظوں میں بیان کردے، اور اسی طرح دونوں خطبوں میں بہت سے موارد میں سجع دکھائی دیتا ہے سجع ان الفاظ کو کہتے ہیں جن کا آخر (شعر میں قافیوں کی طرح) ایک جیسا ہو آپؑ نے اس عبارت میں ان کا استعمال کیا ہے «یَا أَھْلَ الْکُوفَۃِ یَا أَھْلَ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ وَالْخَذْلِ أَلَا فَلَا رَقَأَتِ الْعَبْرَۃُ وَلَا ھَدَأَتِ الزَّفْرَۃُ» اس کلام میں ختل و خذل، رقأت و ہدأت، عبرۃ و زفرۃ مسجع الفاظ ہیں اس کے علاوہ بہت سارے ادبی اور بلاغی نکتے ان دونوں خطبوں میں پائے جاتے ہیں لیکن مقالے کے اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے بس انہیں مذکورہ مطالب پر اکتفا کر رہے ہیں۔

عزاداری کو درپیش خطرات

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

کس شان سے قاتل ہیں عزاداروں میں
اللہ مرے خوں کو زباں کیوں نہیں دیتا

تاریخ آدم وعالم کے اوراق گواہ ہیں کہ آج تک کسی بھی انسان پر ہونے والے مظالم کے خلاف بیک وقت دنیابھر میں اس تواتر و تسلسل کے ساتھ احتجاج نہیں کیا گیا جتنا کہ نواسہ رسول ﷺ، جگر گوشہ بتولؑ پر ہونے والے مظالم کے خلاف ردعمل کے طور پر احتجاج ہوااور ابھی تک ہورہاہے اور جب تک انسانیت باقی ہے اسی انداز سے تاقیام قیامت ہوتا رہے گا،لیکن سوال یہ ہے کیوں ہوتا رہے رہے گا؟

اس لئے کہ امام حسینؑ عالم انسانیت کے محسن ہیں جہاں شہادت حسینؑ نے اسلام کو حیات نو بخشی وہیں ان کی عزاداری بھی اسلام کو روزبروز تازگی عطا کر رہی ہے۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام درحقیقت قرآن وسنت،سیرت نبویؐ اور اجر رسالت کی عملی تفسیر ہے،اہل بیت علیہم السلام سے محبت شعائر الٰہی کی تعظیم کا مصداق ہے،ظالم کے خلاف مظلوم کی فریاد کا اظہار ہے،عزاداری؛سے ہیں زندگی کے زندہ اصول اور مشکلات کو دور کرنے کے لئے عملی طریقے ملتے ہیں یہ ہمارے ایمان کو تازگی،پاکیزگی اور جلا بخشتی ہے۔یہ حب وبغض کا مظہر اور تقوائے قلوب کا باعث ہے،یہ ایک انقلاب ہے،یہ امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اوران کے اہداف کی تکریم ہے اوراحیاء امر ائمہ،خیر و برکت کا باعث اور دین کی بقا کا ضامن ہے۔

لیکن!سوال یہ ہے کہ عزاداری؛خوشنودی خدا اور رضائے ائمہ معصومین کا باعث اور ہماری عبادت وشہ رگ حیات ہے تو پھر وہ کون سے عوامل ہیں جو ہیں اور ہماری قوت کو بنام عزائے حسینؑ منتشر اور ہمارے افکار کو پراگندہ کر رہے ہیں؟ آخر وہ کون سے اسباب ہیں جو ایک متحد و منظم قوم کو منتشر ہجوم میں بدلنے کے درپے ہے؟

کیوں لوگوں کے درمیان اسقدر کسمپرسی کا ماحول ہے؟

کیوں عزادار و بانئ عزا گروپ میں بٹتے چلے جارہے ہیں؟

کیوں عزائے حسینؑ کے نام پر ایک دوسرے کی شخصیت کو پائمال کیا جارہاہے؟

کیوں علماء ومراجع کرام کی برسرعام منقصت و توہین کی جارہی ہے؟

کیوں مسائل دینیہ کا مذاق اڑیا جارہاہے؟

کیوں عزائے امام مظلوم کربلا کو ہم احکام وقوانین الٰہیہ سے جدا سمجھتے ہیں۔۔۔؟

کیوں محرم آتے ہی میری مجلس،تیری مجلس،تیرا علم،میرا علم جیسی وبا کا لوگ شکار ہوجاتے ہیں۔۔۔؟اور کیوں۔۔۔؟کیوں۔۔۔؟

کیاہم اس بات کے قائل نہیں کہ عزائے حسینؑ کی مقناطیسی قوت اعتقادات وعمل میں انقلاب برپا کرسکتی ہے!؟کیاہم اس بات کے قائل نہیں کہ فرشِ مجلس سے علم وہدایت کاخون معاشرہ کی رگوں میں پہنچتاہے اوراس سے ہدایت کی پھوٹنے والی کرنیں معاشرہ کے گوشہ گوشہ کومنوّر کرتی ہیں؟

کیاہم اس بات کے معتقد نہیں کہ عزائے حسین اتحاد کامرکز ہے؟کیاہم اس بات کے دعودار نہیں کہ:

اِنِّی سِلْمٌ لِمَنْ سالَمَکُمْ، وَحَرْبٌ لِمَنْ حارَبَکُمْ، وَوَلِیٌّ لِمَنْ والاکُمْ، وَعَدُوٌّ لِمَنْ عاداکُمْ۔ میری صلح اس سے ہے جس سے آپ کی صلح ہے اور میری جنگ اس سے ہے جس سے آپ کی جنگ ہے،میری دوستی اس سے ہے جس سے آپ کی دوستی ہے اور میری دشمنی اس سے ہے جس سے آپ کی دشمنی ہے؟

کیاہم اس بات کے قائل نہیں کہ جہاں حسینیت ہے وہاں اخوت ویکجہتی ہے،جہاں حسین ہیں وہاں دین وایمان،اور خداترسی ہے۔ تو پھرکیوں ہم جہالت، غفلت اور وقت کے یزید، شمر،خولی وسنان،عمرابن سعد اور ابن زیاد جیسے ملاعین ومخالفینِ مقاصد حسین علیہ السلام کے ہتھکنڈوں کاشکار ہیں؟

کیاہم نے نواسہ رسول ﷺ سے یہ عہد نہیں کیاکہ اے حسینؑ!ہماراعمل آپؑ کے عمل کے تابع ہے:

یااَبا عَبْدِاللهِ،اِنّی اَتَقَرَّبُ اِلَی اللهِ وَاِلی رَسُولِهِ وَاِلی اَمیرِالْمُؤْمِنینَ وَاِلی فاطِمَةَ،وَاِلَی الْحَسَنِ وَاِلَیْكَ بِمُوالاتِكَ،وَبِالْبَرآئَةِ مِمَّنْ اَسَّسَ اَساسَ ذلِكَ،وَبَنی عَلَیْهِ بُنْیانَهُ،وَجَری فی ظُلْمِهِ وَجَوْرِهِ عَلَیْکُمْ۔۔۔

اے اباعبد اللہ!بے شک میں قرب چاہتاہوں،خدا کااس کے رسول ﷺ کاامیر المومنینؑ کافاطمہ زہراؑ کاحسن مجتبیٰؑ کااور آپؑ کاقرب آپکی محبت ومودت سے اور اس سے بیزاری کے ذریعے جس نے آپؑ کو قتل کیااور آتش جنگ بھڑکائی اور اس سے بیزاری کے ذریعے جس نے آپؑ پرظلم وستم کی بنیادرکھی اور میں بری الذمہ ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے اس سے جس نے ایسی بنیاد قائم کی اور اس پر عمارت اٹھائی اورپھرظلم وستم کرناشروع کیا۔

کیاہمارایہ ورد زباں نہیں ہے کہ: اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلوةَ وَآتَیْتَ الزَّکوةَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاَطَعْتَ اللهَ وَرَسُولَهُ حَتّی آتیكَ الْیَقینُ۔ میں گواہی دیتاہوں کہ آپؑ نے نماز قائم کی اورزکوۃ اداکی،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا،اللہ اور رسول ﷺ کی یقین کی حد تک اطاعت کی۔

ذراغوروفکر کیجئیے!اوراپنے اِردگرد کے حالات کابخوبی مشاہدہ کیجئے کہیں ایساتونہیں کہ جانے انجانے میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں اور فتنہ پرستوں کاآلہ کاربن رہے ہوں!

کہیں ایساتونہیں کہ نواسہ رسول ﷺ کے مقاصد ومشن کی مخالف طاقتوں کاجومدت مدید سے عزاداری کی صورت کوبگاڑنے میں لگی ہیں اور اس امور پرکروڑوں اور اربوں ڈالر خرچ کررہی ہیں؛کاشکار تونہیں؟؟

کہیں حسین بن علیؑ کے مقاصد کی تبلیغ و ترویج سے ہراساں دشمنوں کے ہدف کانشانہ تو نہیں؛ چونکہ عالمی استعمار نے بہت تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ محبان اہل بیتؑ خصوصاشیعوں کے دلوں سے عشقِ حسینؑ تو محو نہیں کیاجاسکتالہذا عزاداری پر ہی سازشوں کے جال بنے جائیں اورایسے پیشہ ور خطیب ومقررین کوخرید اجائے جوان کامعاون ومددگار اوران کے خواب کوشرمندہ تعبیر کر سکے۔

آج! عزاداری کے نام پر جو ہورہاہے وہ سب پر عیاں ہے۔ کہیں مفاد پرست، سستی شہرت کے خواہاں ذاکرین تو کہیں حق بیاں خدا ترس علماء و خطیب، کہیں بے عملی کے لائیسنس کی مفت تقسیم، تو کہیں دین کے احکام و قوانین پر عمل کی ترغیب و تشویق، کہیں اخباری غائندے، تو کہیں اصولی علماء، کہیں مومن سینہ سپر تو کہیں مقصر بر سرپیکار، کہیں نصریت کاغلو تو کہیں ملنگیت کاطلسم، کہیں عمامہ کی تمجید تو کہیں ٹوپی کی ہتک حرمت، کہیں ایم آئی سکس کی وباء تو کہیں سی آئی اے کامرض۔۔۔ کہیں تعمیری افکار تو کہیں تنقیدی خیالات کا اظہار، کہیں تقلید تو کہیں ولایت فقیہ۔۔۔ کہیں دشمنوں کے دسترخوان پر خطباء و شعرااور نوحہ خوانوں کی بزم سجی ہے، تو کہیں اس پر تجزیہ و تبصرہ۔۔۔ان جیسے مباحث اوراس سے رونماہونے والے فتنوں کے پیش نظریہ کہنا حق بجانب ہے کہ وہ عزاداری جسے ائمہ معصومین علیہم السلام نے ہم سے چاہاہے (جیساکہ امام رضاعلیہ السلام فرماتے ہیں:

من جلس مجلسا یحی فیه امرنالم یمت قلبه یوم تموت القلوب۔ جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے گاکہ جہاں ہمارے امر کااحیاء ہوتاہو تواس کادل روز قیامت زندہ ہو گاجبکہ اس روز ہر دل مردہ ہو گا۔) ہم اس حقیقت سے کافی دور ہوتے جارہے ہیں کیونکہ جو تحریفات عزاداری میں عزاداروں کے ہی ہاتھوں ہورہی ہے وہ دشمنوں کی سازشوں کا حصہ اوراسی سامراجی مشن کا ایک شاخصانہ ہے۔ جیساکہ مائیکل برانٹ نے اپنی کتاب "الہی ادیان میں اختلاف ڈالنے کاپلان" میں لکھاہے: شیعہ مذہب سے براہ راست مقابلہ ممکن نہیں ہے اور شیعیت پر براہ راست حملہ سے کامیابی کاامکان بھی بہت کم ہے اس لئے ہمیں پشت پردہ کام کرنے کی ضرورت ہے لہذا طویل المعیادپروگرام کے تحت اپنے تیارشدہ لائحہ عمل پر ہم عمل پیراہیں۔۔۔۔۔

چھوڑ کر وہم وگماں حسنِ یقیں تک پہنچو!

موجودہ زمانے میں عزاداری امام حسین علیہ السلام کو جو خطرات درپیش ہیں اور عزاداری میں جو خرافات وانحرافات سرایت کرتی جارہی ہے وہ ناگفتہ بہ ہیں۔اور یہی خرافات، استیصال پسند رسومات و توہمات؛ جہالت و نادانی،عدم معرفتِ عزا یاپھر مخالفینِ عزاداری کے مبینہ منصوبے ہیں جو عزاداروں کے ہاتھوں ہی پروان چڑھ رہی ہیں۔

آج! عزاداری کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگوں نے اسے "وسیلہ" نہیں "ہدف" بنالیاہے اوراسے اُخروی اجر و ثواب، گھرو کاروبار میں خیروبرکت کاسبب یاآباءواجداد سے ملنے والی وراثت کہ جسے بہرحال جاری رکھناہی ہے یاپھر اپنے گناہوں کی بخشش کاذریعہ لہذا جب کسی وسیلہ کوہدف بنالیاجاتاہے توپھر وہی ہوتاہے جو نہیں ہوناچاہیئے؛ نہ حلال وحرام کی تمیز،نہ جائز وناجائز کاخیال اور نہ مقصد وغایت کی فکراور نہ ہی اس کے سمت وجہت پر توجہ! بس مجلس وجلوس، ماتم ونوحہ خوانی ہونی چاہیئے؛ چاہے وہ جیسے، جس طریقہ سے ہو، کرنا ہے۔

یہ بات ملحوظ خاطر رکھنے کی ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام، احیائے دین، احیائے امر ائمہ معصومینؑ، اصلاح معاشرہ، اصلاح نفس، روح کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی، کردار کی تعمیر، ایمان کی نورانیت میں اضافہ اور تقرب الٰہی و۔۔۔ کے لئے ایک اہم "وسیلہ" ہے جس کا "ہدف" اس سے کہیں اعلیٰ وارفع معانی و مفاہیم حامل ہے لیکن قوم کی اکثریت "وسیلہ" میں الجھ کر گوہرِ مقصود؛ "ہدف" سے تہی دامن ہے!

امام موسیٰ صدر اکثر اپنی مجلسوں اور تقریروں میں کہا کرتے تھے کہ امام حسین علیہ السلام کے دشمن صرف وہ نہیں کہ جنہوں امامؑ کو قتل کیا بلکہ وہ بھی امامؑ کے دشمنوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے واقعہَ عاشور کے پیغامات کو بھلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے بڑی عمدہ تحلیل کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے دشمن تین طرح کے ہیں:

۱۔ پہلا گروہ ہے جس نے اپنے ہاتھوں کو فرزند رسولؐ کے خون سے رنگین کیا؛ امامؑ اور ان کے اصحاب کو تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں بے دردی سے قتل کیا اور آپؑ کے اہل حرم کو اسیر بنایا اور مدتوں قید و بند میں رکھ کر یہ سوچا کہ امامؑ کا مشن ختم ہو گیا حالانکہ یہ ان کی نادانی تھی، امامؑ قتل ہو کر تا ابد زندہ و جاوید ہو گئے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے بعدِ شہادت حسینؑ ان کے آثار کو مٹانے کی ہر آن کوششیں کی؛ قبروں پر ہل چلا دیے، حرم میں آگ لگا دیے، گنبدوں کو مسمار کر دیا، عزاداری پر پابندی لگادی اور زیارتوں پر سزا مقرر کر دیئے! تاکہ یادِ حسین مٹ جائے۔ ذکرِ حسینؑ ختم ہو جائے۔ لیکن تاریخ آدم و عالم گواہ ہے کہ جتنی شدت کے ساتھ نام حسینؑ کو مٹانے کی کوششیں کی جاتی رہی اتنی ہی شدت سے نام حسینؑ عالم میں نمایاں ہوتا رہا۔

آج! عالم انسانیت گواہ ہے کسی مذہبی رہنما کی زیارت پر بلا تفریق مذہب و ملت مختلف مما لک سے تین کروڑ لوگ بیک وقت جمع نہیں ہوتے جو منظر ہر سال کربلا کا ہوتا ہے وہ بے نظیر و بے مثال ہے؛ اس گروہ کا ظلم و ستم پہلے والے گروہ کے ظلم و تشدد سے کہیں زیادہ ہے

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے کہ جس نے امامؑ کو نہ ہی قتل کیا اور نہ ہی ان کے اہل حرم پر ظلم و ستم ڈھائے اور نہ ہی ان کے آثار مٹائے بلکہ اس نے جو کام انجام دیئے وہ گروہ اول و دوم سے زیادہ خطرناک اور شدید تر ہے جو موجودہ عصر کی عزاداری اور عزاداروں کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے اور وہ یہ ہے کہ عزائے حسینؑ کے مخالفین عزاداروں کے بھیس میں واقعہَ عاشورا اور امام عالی مقام کے اہداف و مقاصد کے چہرہ کو مخدوش کرنے اور اسے صرف ایک تہوار و فیسٹیول کا رنگ دینے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے میں لگے ہیں۔

اس گروہ کی مبینہ سازش کا حصہ اگر ہم اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈالیں تو بخوبی مل جائے گا جہاں صرف گریہ وزاری ہے ماتم و نوحہ خوانی ہے علم و تعزیہ ہے، زنجیر و قمہ زنی ہے۔ ہاتھوں میں نت نئے ڈیزائن کی ہتھکڑیاں اور بعض کے پیروں میں موٹی موٹی بیڑیاں اور مجالس میں علیؑ رب جیسے غلو آمیز فلک شگاف نعرے اور واہ واہ کا شور و شرابا، نذر و چڑھاوا اور منت و مراد ہے و۔۔۔ سب کچھ ہے لیکن امام کے قیام کا فلسفہ، امام کے مشن کا ہدف، امام کی عزاداری کا مقصد اسکی اہمیت و افادیت کا تذکرہ؛ ائمہ معصومین علیہم السلام کے امر کا احیاء، امام وقت کے ظہور کی زمینہ سازی وغیرہ نہ کے برابر بھی نہیں ہے! بس نام نہاد، غالی مزاج، پیشہ ور ذاکرین و مقررین کے سطحی نوعیت کی باتوں پر بانی عزا بھی خوش اور مجلس میں شریک ہونے والے بھی خوش، رُولیا، رُلا دیا بانی عزا کو گویا گوہر مقصود حاصل ہو گیا اور شرکت کنندگان کو تبرک

و ثواب اور یوں عشرۂ مجالس، خمسۂ مجالس، شب بیداریاں، انگاروں کا ماتم، کوزے کا ماتم، کفنیوں کا علم، اٹھارہ بنی ہاشم اور ۷۲ تابوت جیسے بڑے پروگراموں کا ہدف پورا ہو گیا۔۔۔!!

کیا یہی نواسہ رسولؐ سے محبت کا نمونہ ہے؟

کیا یہی سیرت ائمہ معصومین علیہم السلام کا اتباع ہے؟

کیا یہی انداز عزا؛ شہدائے کربلا کے مشن کا عکاس ہے؟

کیا یہی امام حسین علیہ السلام کے افکار کی تبلیغ و ترویج ہے؟

کیا یہی امام سجاد علیہ السلام اور سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا مشن ہے؟

کیا یہی قیام حسینؑ کا مقصد تھا؟

کیا یہی واقعہ کربلا کا ہدف تھا؟

کیا یہی امام حسین علیہ السلام کی خواہش و آرزو تھی؟۔۔۔

کیا میدان کربلا میں دی گئی عظیم قربانی، بس اور بس! اسی چند روزہ خود ساختہ و پرداختہ عزاداری کے لئے تھی۔۔۔؟!

اس حقیقت کو نہ سمجھو گے تو مر جاؤ گے   دل کا آئینہ دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے

یاد رہے! انسان جس مقصد کے لئے جان دیا کرتا ہے وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اگر وہ مقصد عزیز تر از جان نہ ہو تو پھر آدمی اپنی جان کی قربانی دینے سے گریز کرتا ہے۔ کربلا کے میدان میں دی گئی یہ لازوال قربانیاں محض اور محض نالاں و شیون اور سوگ و عزا کے لئے نہیں تھی بلکہ توحید باریٔ تعالی، روئے زمین پر خدائی حاکمیت اور اسلام کی عزت و آبرو کی حفاظت اور یزید جیسے فاسق و فاجر کی جبر واستبداد اور فسق و فجور پر مبنی نظام سیاست و حکومت کا خاتمہ تھا، جس طرح محسن انسانیتؐ، بنی نوع انسان کو ان تمام انسانی زنجیروں سے آزاد کرانے آئے تھے جنھوں نے انسانوں کو مختلف طرح کے اوہام، باطل نظریات، ظالمانہ قوانین اور انسانیت سوز عادات و رسوم میں جکڑا ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح وارثِ انبیا، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ علی و بتولؑ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی اسلامی نظریۂ حیات ''إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ'' کے تحت یزید کی ملوکیت اور اس کی جبری بیعت کو قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے خلاف بہادری سے نبرد آزما بھی ہوئے اور اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے میدان کرب و بلا میں اپنی اور اپنے جاں نثار عزیزوں اور ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ اب اگر ہم ان تمام اہداف سے غض نظر کرتے ہوئے صرف چند روزہ رسمی سوگ و عزا میں گزار کر شہادت حسینیؑ کے اصل اہداف و مقاصد کو بھول بیٹھیں تو شاید امام حسینؑ سے یہ وفا نہ ہو!

نہ کریں آپ وفا ہم کو کیا!   بے وفا آپ ہی کہلائیے گا!

آج! مجلس حسینؑ اور جلوس ہائے عزا کے ساتھ ہیں اس بات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا محرم و صفر یا عاشورا اور اربعین کی اتنی سی اہمیت رہ گئی کہ ہم چند روز یا چند گھنٹے اسے ایک تہوار کے طور پر منا کر فارغ ہو جائیں؟ کچھ دیر کے لیے مجلس و ماتم اور

جلوس کا انعقاد کر لیا جائے ؟ کچھ ادھر سے ذاکرین و نوحہ خوان، اُدھر سے انجمنیں بلا کر ماتم و مجلس اور جلوس کا اہتمام ہو جائے ! اس کے بعد سال کے گیارہ مہینے کربلا کے حقیقی پیغام سے چشم پوشی ہو، فرامین حسینؑ سے سر تابی ہو، تعلیماتِ کربلا کو پامال کیا جائے اور جانتے بوجھتے خلاف شرع امور انجام دیے جائیں اور ہماری پیشانیوں پر شکن تک نہ آئے ؟!

میرے عزیزو ! اس میں کوئی شک نہیں کہ عزاداری، شیعوں کی جان، مذہب تشیع کی پہچان اور محمد و آل محمد علیہم السلام کے چاہنے والوں کا ایمان اور دینی تشخص ہے، یہ رسم نہیں، یہ تہوار نہیں جسے اپنے اپنے انداز سے ادا کر دیا جائے، ہرگز نہیں ! بلکہ یہ کربلا کے آفاقی پیغام کو عملی جامہ پہنانا اور اسے اپنے لئے مشعل راہ قرار دینا ہے، یہ حسینیؑ تحریک کی سپر اور اسلامی اقدار کو اوج کمال تک پہنچانے کا ذریعہ اور معاشرہ کی تعمیر نو کا وسیلہ ہے، یہی سرمایۂ آخرت اور ضامنِ حیات ہے۔ اس کے بغیر ہمارے دین و ایمان کا تصور بھی محال ہے !

لہٰذا اس عظیم عبادت کو صرف رسم و تہوار بنا دینا گویا مقاصدِ امامِ حسینؑ سے چشم پوشی اور روگردانی کرنا ہے اور جو مقاصدِ حسینؑ سے منحرف ہو جائے وہ چاہے جو ہو، ایک سچا حسینیؑ نہیں ہو سکتا ! شہدائے کربلا خاص کر حسینؑ ابن علیؑ سے عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ ہم حسینیؑ رنگ میں رنگ جائیں ! ان کی چاہت پر ہر چاہت کو مغلوب کر دیں ! انکے حکم پر کسی حکم کو غالب نہ آنے دیں۔ سُوَیدائے قلب سے بار بار یہی صدائیں آتی رہیں : میرے مولا ! جو آپ کی خوشی وہ میری خوشی، جو آپ کا مشن وہ میرا مشن، جو آپ کی لگن وہ میری لگن۔۔۔ جیسا کہ ہم زیارت عاشورا میں پڑھتے ہیں : اِنِّی سِلْمٌ لِمَنْ سالَمَکُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حارَبَکُمْ وَ وَلِیٌّ لِمَنْ والا کُمْ وَ عَدُوٌّ لِمَنْ عادا کُمْ....

آیئے ! شہدائے کربلا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے طرز عمل پر غور و فکر کریں تا کہ ہمارے طرز عمل میں ان کے مکارم اخلاق، صفات و کمال اور اسوۂ حسنہ، کی جھلک نظر آئے اس لئے کہ اظہار محبت میں مزاج محبوب کی پاسداری خالص محبت کا بنیادی لازمہ ہے۔ محبت لازمۂ اطاعت ہے اور اطاعت سے مراد رغبت کے ساتھ پیروی ہے۔

تمہیں تاریخ ہو تاریخ کی تقدیر بھی ہو ہاں تمہیں سینۂ تخریب میں تعمیر بھی ہو

عزاداری امام حسین علیہ السلام کو درپیش خطرات جیسے اہم موضوع پر خامہ فرسائی کرنا مجھ جیسے بے بضاعت کا کام ہرگز نہیں، ہاں ! موجودہ حالات اور نت نئے طریقوں سے نت نئے انداز میں کی جانے والی عزاداری اور امام مظلوم کربلا کے اس ارشاد :

"اِنَّما خَرَجْتُ لِطَلَبِ الاِصْلاحِ فِی اُمَّةِ جَدِّی، اُرِیدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْهی عَنِ الْمُنْکَرِ..." "و أَلاٰ تَرَوْنَ أَنَّ الحَقّ لاٰ یُعْمَلُ بِهِ وَ انّ الْباطِلَ لاٰ یُتَنٰاهیٰ عَنْهُ" کے پیش نظر چند سطریں کسی کی دل آزاری کے بغیر سپردِ قرطاس کرنے کی طالب علمانہ کوشش ہے۔ شاید اس سے ہمارے تزکیہ اور تطہیر کا امکان ہو جائے اور ہمارا معاشرہ اپنے درخشان ماضی کی طرح ایک درخشاں مستقبل کے ساتھ بیدار ہو جائے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

عزاداری امام حسین علیہ السلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے اسباب حسب ذیل ہیں :

۱)عدم معرفت و آگہی:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:لایقبل اللہ عملا الا بمعرفة۔ معرفت کے بغیر خداوند عالم کوئی بھی عمل قبول نہیں کرتا اگر بانی عزا اور شرکاء اس بات سے غافل و جاہل ہوں گے تو یہ نہ مثمر ثمر واقع ہوگی اور نہ ہی نتیجہ مطلوب تک پہنچ پائے گی۔۔۔

یہ عدم معرفت کے ہی آثار تو ہیں کہ عزاداری میں سب کچھ ہے لیکن روح حسینی نہیں ہے، سیرت حسینؑ کی تجلی نہیں ہے، کردار سازی کی رمق نہیں ہے، اصلاح معاشرہ کی فکر نہیں ہے، ظلم و ستم کے خلاف مظاہرہ نہیں ہے، لوگوں کے حقوق کی پائمالی پر کوئی اعتراض نہیں ،عدل و انصاف نہیں ہے ،برائی ،بے دینی ،بے حیائی ،بے پردگی کے خلاف کوئی صدائے احتجاج نہیں ہے ۔ تو پھر ان مجالس عزا کا ماحصل کیا ہے ؟ذکر کربلا کا فلسفہ کیا ہے ؟

۲)کسی عمل کا عادت میں تبدیل ہوجانا:

جب کوئی عمل (عبادت)عادت میں بدل جاتا ہے تو وہ بے قیمت و بے فائدہ ہوجاتا ہے ۔عادت،عبادت کے اجر و ثواب اور اس کے اثرات کو بے نور کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو بھی بغیر بصیرت و شناخت کسی عمل کو سرعت کے ساتھ سے انجام دے گا اتنی ہی سرعت اس عمل کی تیز ہوتی جائے گی اور وہ اس کے ہدف سے اتنی ہی زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔لہذا کسی عمل خاص کر عزاداری امام حسین علیہ السلام کو عادت نہ بنایا جائے۔

۳)منبر کے تقدس کا خیال نہ رکھنا:

منبر کے تقدس کا خیال ہمیشہ بانی عزا کو رکھنا چاہئیے۔غیر مستند،غیر منہجی اور غیر متشرع لوگوں کو منبر پر جگہ دے کر ہدایت اور اصلاح کے اس منبع کو آلودہ کرنا ایک عظیم گناہ ہے۔ آج عوام کی سادہ لوحی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے کم پڑھے لکھے،غیر عالم منبر پر آنے لگیں ہیں جن کے لیئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ نیم حکیم خطرہ جاں اور نیم ملا خطرہ ایماں؛جب ایسے لوگ منبر پر آئیں گے تو کیا ہوگا!؟

زور بیان،شور خطابت،غیر متشرع مفسدین کے افکار اور غالیوں کے عقائد کی ترویج ہوگی،سامعین کے دینی،عقیدتی مزاج اور علمی معیار پر ڈاکہ زنی اور انہیں ختم کرنے کی کوشش ہوگی،رشد و ہدایت کا دروازہ بند ہوجائے گا،قوم خرافات و انحرافات سے دوچار ہوگی۔

۴)عزاداری امام حسین علیہ السلام کا بامقصد نہ ہونا:

عزاداری اپنے مقاصد و اہداف کے اعتبار سے ہدف مند ہو اور اس کے ذریعہ سے معارف دین کی نشر و نما ہو عقائد،احکام اور اخلاق کو بیان کیا جائے معتبر تاریخ اور وقائع کا ذکر ہو۔

۵)امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کو صرف ایک جہت سے پیش کرنا:

عزاداری کی مشکلات میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اکثر و بیشتر یہ ایک جہتی مباحث کی حامل ہے اور وہ یہ ہے کہ کربلا کا بے آب گیاہ صحراء، امام مظلوم اور ان کے اہل حرم کی تین دن کی بھوک و پیاس،دشمن کے حملے،ظلم و بربریت، قتل و غارتگری،بے گور و کفن اصحاب و انصار

کے لاشے و۔۔۔عواطف واحساسات وغیرہ سے لبریز پہلو ہی پیش کرنا۔۔۔حالانکہ امام کی زندگی کا ہر پہلو ۴ ہجری سے ۶۱ ہجری تک کا ہر باب ہمارے لئے مشعل راہ ہے وہ چاہے مادی ہو یا معنوی؛ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ہماری روزمرہ زندگی اور جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے سکون واطمینان کا باعث اور بہترین نمونہ عمل ہے۔لہذا ایک جہتی پہلو کو پیش کرنے سے گریز کرتے ہوئے مجالس ومحافل میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی زندگی کا ہر پہلو مختصرا بیان کیا جائے۔

۶)مجالس عزا میں تجارتی افکار کا وارد ہو جانا:

عزاداری امام حسین علیہ السلام میں تجارتی افکار کی لہر نے ہی عزاداری کی سیرت وصورت بگاڑ رکھی ہے۔پیشہ ور ذاکرین ونوحہ خوانوں وغیرہ نے دنیا پرستی کے اس دور میں ذکر حسین علیہ السلام کو بھی نظم ونثر کے اعتبار سے اپنی آمدنی کا ذریعہ بنالیا ہے۔لہذا عاشورا کے تابناک ودرخشاں پہلو اور اس کے انقلابی اصول عوامی سطح پر ماند پڑ گئے!

کربلا میں حاضر ہونے والے افراد بھی اموی حکومت سے مقام اور منصب حاصل کرنے کے لئے آئے تھے جیسا کہ مسروق بن وائل کا کہنا ہے کہ میں ابن زیاد کے نزدیک مقام حاصل کرنے کے لئے صف اول میں رہا تاکہ امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو اپنے ہاتھوں سے جدا کروں، تاکہ زیادہ زیادہ مال وزر میرے ہاتھ لگے۔

آج اسی مال وزر اور شہرت کی ہوس میں علما، خطبا، مقررین اور ذاکرین کا ایک خاص ٹولہ غرق نظر آتا ہے۔جو منبروں پر بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا ہے لیکن لفافے لیتے وقت جھگڑنے بھی لگتا ہے۔اور اس گناہ کے بانی پیشہ ور ذاکرین نہیں بلکہ نادان بانی عزا ہیں۔جو تاجران خون حسین کو ذکر حسین کی دعوت دیتے ہیں۔

امام مظلوم کربلا کی یہ بات میری اس بات کی تائید ہے کہ آپؑ نے فرمایا: النَّاسُ عَبِیدُ الدُّنْیَا ، وَ الدِّینُ لَعِقٌ عَلَى أَلْسِنَتِهِمْ ، یَحُوطُونَهُ مَا دَرَّتْ مَعَایِشُهُمْ ، فَإِذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّیَّانُون. عوام دنیا کے غلام ہیں اور اپنی دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اپنی زبانوں پر دین کا ورد کرتے رہتے ہیں. نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابا نعمان! ہمیں روزی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔اس سے خدا تمہاری غربت میں اضافہ کرے گا۔

۷)غیر مستند باتوں کو امام حسین علیہ السلام سے نسبت دینا:

ذاکرین اور عزاداروں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں کو کربلا یا امام حسین علیہ السلام سے منسوب نہ کریں جو جھوٹ اور بے بنیاد ہوں جیسے: کربلا میں امام حسین کے مدمقابل لشکر میں چھ لاکھ سوار، دس لاکھ پیادہ یا آٹھ لاکھ سپاہی تھے اور امام حسین علیہ السلام نے ان میں سے تین لاکھ افراد اور اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام نے پچیس ہزار افراد کو قتل کیا تھا۔

دوسری جانب تاریخ کی مستند گواہی ہے کہ یزیدی لشکر کی تعداد تیس ہزار سے اسی ہزار یا ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی اور امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے واصل جہنم ہونے والوں کی تعداد اٹھارہ سو تھی۔اس قسم کی دیگر بے بنیاد وبے اساس باتیں جیسے: حبیبؑ ابن مظاہر سے شب عاشور سیدہ زینبؑ کا وعدہ، عہد وپیمان لینا، جناب قاسمؑ کی شادی کی داستان، ام لیلی کا جناب علی اکبرؑ کی سلامتی کی دعا کرنا، ذوالجناح کی

عجیب و غریب داستان کا نقل کرنا وغیرہ جو جانے انجانے میں کم علم افراد بیان کیا کرتے ہیں جو روضۃ الشہدا نامی کتاب سے لی گئی ہیں اور محدث نوری نے جب عزاداری امام حسینؑ میں جھوٹ اور خرافات کی ملاوٹ دیکھی تو سید محمد مرتضی جونپوری ہندی کے کہنے پر لولو و مرجان نامی کتاب لکھی تاکہ عزاداری کی اصلاح ہو سکے۔

۸)احکام الہیہ کی پابندی نہ کرنا:

ایام عزا میں خاص کر عزاداروں کو احکام الہیہ کی رعایت اور اسے پابندی وقت سے انجام دینے کی ضرورت ہے۔ اس سے تساہلی برتنا گویا امام علیہ السلام کے مقاصد کے اہم اجزا کی توہین کرنا ہے۔ روز عاشور جب ابو ثمامہ صاعدیؑ نے جب امام سے یہ عرض کیا مولا میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کروں کہ اپنی نماز کہ جس کا وقت آن پہنچا ہے اس ادا کر لوں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا تمھیں نماز گزاروں میں شمار کرے لشکر یزید سے کہو کہ جنگ کو روک دیں اور پھر امامؑ نے اپنے باوفا جانثاروں کے ہمراہ نماز ادا کی۔ اس وقت عمر سعد و شمر ملعون نے نماز کا مذاق بھی اڑایا جس طرح آج بھی کچھ عاشقانِ حسینؑ اپنے امامؑ کے طرز عمل پر عمل پیرا ہو کر اول وقت نماز ادا کرتے ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: من اطاع اللہ فھو ولیّنا و من عصی اللہ فھو عدونا؛ جس نے خدا کی اطاعت کی وہ ہمارا دوست و مددگار ہے اور جس نے خدا کی مخالفت کی وہ ہمارا دشمن ہے۔

۹)عزاداری میں خودنمائی اور شہرت طلبی کا رواج قائم کرنا:

موجودہ معاشرے میں ایسے افراد موجود ہیں جو صرف دوسروں کو خوش کرنے یا اپنے عمل کو ظاہر کرنے کی نیت سے کام کرتے ہیں اس طرح کے افراد اپنے رفتار و کردار میں خدا کی مرضی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ایسے ہی افراد میں دور حاضر کے عزادار اور بانی عزا بھی شامل ہیں ! مجلس و نوحے پڑھنے والوں سے لے کر بانی مجلس تک میں اس قدر خودنمائی کی نحوست پیدا ہو گئی ہے کہ جو کچھ بھی وہ انجام دے رہے ہیں وہ نام و نمود اور شہرت طلبی کی خاطر ہے گویا ہر ہر قدم پر تظاہر و ریاکاری جیسے مذموم عمل کو انجام دیا جا رہا ہے۔

۱۰)توہین آمیز کلمات و ناپسندیدہ افعال کا امامؑ اور ان کے اہلِ حرم کی طرف منسوب کرنا:

جیسے قاسمؑ نوشاہ، عابدؑ بیمار، زینبؑ مضطر۔۔۔ وغیرہ یا پھر حرم حسینیؑ میں سینے کے بل چلنا، رخساروں پر ماتم کرنا، کپڑوں کو پھاڑنا، معصوم بچوں کے سر و سینہ پر زبردستی قمہ لگانا، انگاروں پر نماز کا ادا کرنا، ذوالجناح کی نماز میت و تدفین کرنا، مرثیہ و سلام اور نوحوں کو فلمی انداز میں میوزک بیک گراؤنڈ پر پڑھنا وغیرہ جسے سن کر ایک طرف وہ قومیں جو تاریخ عاشورہ سے واقفیت رکھتی ہیں وہ اس عمل کا بر سر عام مذاق اُڑاتی ہیں تو دوسری طرف دشمن اس سے استفادہ کرتا ہے...

یہ ہماری عزاداری کی ظاہری شکل وصورت اور اندرونی مسائل ہیں تو دشمن اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں! جیسے جیسے وقت و سال گزر رہا ہے ویسے ویسے اس میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے اور یہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ لیکن احکام و آداب اور شرعی حدود و قوانین کے اندر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تبدیلی مذہب تشیع کے تمسخر اور اس کے مقدّسات کی توہین کا باعث بن جائے جیسا کہ عالمی پیمانے پر آج قمہ اور زنجیر زنی وغیرہ

جیسی شیعیت پر کاری ضرب کا مخدوش چہرہ دکھا کر عالمی برادری کو مذہب شیعیت سے دور کیا جارہا ہے! لہذا ان حالات کو بدلنے کے لئے پہلے خود کو بدلنا ہو گا۔ اور اس حسّاس اور نازک کام میں علمائے حق اور قوم کا بیدار مغز طبقہ آگے آکر عزائے حسینؑ کے "اہداف و مقاصد، مضامین و مطالب اور سمت و جہت" کو متعین اور اس میں پائی جانے والی تحریفات پر تنقید برائے اصلاح اور علمی مباحثہ کرے تاکہ ان حقائق سے بے خبر بانی عزا اور سچے عزاداروں کی صحیح معنوں میں رہنمائی مل سکے تب کہیں جاکر معاشرہ میں امامؑ وقت منتقمِ خون حسینؑ کے ظہور کا زمینہ فراہم ہو پائے گا۔

بھٹکے اذہان کو اک راہ پہ لانا ہو گا　　مقصدِ زیست زمانے کو بتانا ہو گا[1]

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

معاشرے کی اصلاح کرنے کا آسان طریقہ!

امام خمینیؒ:

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کچھ نادان دوست غفلت کی وجہ سے دین کو غلط طریقے سے بیان نہ کر دیں ہمارے پاس اس وقت اسلامی حکومت ہے اس وقت ہمارا ہر طبقہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ ہم اسلامی حکومت میں زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری عدالتیں اسلامی ہیں ہماری فوج اسلامی ہے ہمارے ادارے اسلامی ہیں ہمارا ہدف معاشرے اور سماج کی اصلاح کرنا ہے لیکن جب تک ہم اپنی اصلاح نہ کرلیں تب تک معاشرے اور سماج کی اصلاح نہیں کر سکتے جب تک انسان خود صالح نہیں ہو گا دوسروں کو نیکی کی طرف دعوت نہیں دے سکتا جب انسان خود غلط راستے پر گامزن ہو گا تو وہ دوسروں رہنمائی کیسے کر سکتا ہے ایسے رہنما کا لوگ مذاق اُڑاتے ہیں لہذا سماج اور معاشرے کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے ہمارا ہر عمل دوسروں کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہیے۔۔۔۔

[1] ۔ان مطالب کو تیار کرنے میں نیٹ سے بھی مدد لی گئی ہے

عصر حاضر میں کربلا فہمی کے ذرائع

عادل فراز

کربلا فہمی کے لئے قلب سلیم اور فکر کا صحیح کا ہونا ضروری ہے۔اس کے بغیر کربلا کے سانحہ کی آفاقی حقیقتوں اور معنویتوں کو باور کرنا ممکن نہیں ۔ ہر عہد میں محقق اور مفکر کربلا کو اپنی عقل اور فکر کے مطابق تفہیم کرتے رہے ہیں۔اس کے بعد وہ لوگ زیادہ کامیاب ہوسکتے ہیں جو عصری تقاضوں اور نوجوان نسل کے ذہنی و فکری مطالبوں کی صحیح تشخیص کرسکتے ہوں۔ ہر عہد کے الگ تقاضے اور ہر نوجوان نسل کے مختلف فکری و ذہنی مطالبے ہوتے ہیں ۔ ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشخیص ہر محقق اور مفکر کے لئے لازمی امر ہے۔

سانحہ کربلا ایک کثیر الجہات اور متنوع صفات کا حامل ہے۔اس سانحہ کا محدود تاریخی پس منظر میں مطالعہ نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ اس کا تعلق ایک مخصوص زمان و مکان،سیاسی و سماجی صورتحال سے نہیں ہے۔کربلا کا سانحہ اپنے آپ میں آفاقی اور متنوع ہے،جس کی افہام و تفہیم کے لئے صحیح ذرائع تک رسائی ہونی چاہیے۔

اپنی کوتاہ علمی کے اعتراف کے ساتھ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہر دور میں کربلا فہمی کے مشترک ذرائع رہے ہیں ۔ انقلاب زمانہ کے ساتھ بعض چیزوں میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں،مگر جو مشترک قدریں واقعہ کربلا کی افہام و تفہیم کے لئے ہر زمانے میں موجود رہی ہیں ،ان کی اہمیت و افادیت آج بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم کتب مقاتل اور کتب سیرت کی اہمیت سے کسی بھی دور میں انکار نہیں کرسکتے۔کربلا فہمی کے لئے ہمارے پاس پہلا اور بہترین مآخذ یہی مقاتل اور سیرت کی کتابیں ہیں۔ان کا غائرانہ مطالعہ کئے بغیر ہم کسی بھی عہد میں کربلا کے واقعہ کو اس کے معیار اور میزان کے مطابق نہیں سمجھ سکتے۔

کتب مقاتل سے مراجعہ

سب سے پہلے ہمیں مختلف مقاتل کی کتابوں،روایات ائمہ معصومین علیہم السلام اور ماثور زیارات سے مراجعہ کرنا چاہیے۔خاص طور پر وہ مقاتل جو واقعہ کربلا کے عینی شاہدین اور عصر واقعہ کے قریب ترین افراد نے تحریر کئے ہیں۔یقیناً ان لکھنے والوں میں اکثریت دشمن کے محرروں کی ہے لیکن وہ مقاتل تاریخی حقیقت اور واقعاتی عینیت سے عاری نہیں ہیں۔ہمارے علما نے بھی ان مقاتل کی طرف رجوع کیا ہے کیونکہ دشمن بھی بعض تاریخی حقائق کو چھپا نہیں سکا اور بیان کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ان مقاتل کا تقابلی مطالعہ کیا جانا چاہیے تاکہ حقیقت تک رسائی ممکن ہوسکے ۔اصبغ ابن نباتہ کے مقتل کو اولیت کا درجہ دیا گیا ہے۔دیگر کتب مقاتل میں مقتل جعفر بن جعفی ،اخبار الطوال،تاریخ طبری اور تاریخ کامل میں بھی حقائق کا دریا موج زن ہے۔ تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اسے

مخالف اور موافق تمام تاریخوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ تاریخی حقیقتیں اور واقعاتی صداقتیں بہت روشن نہیں ہوتیں بلکہ وہ بین السطور ہوتی ہیں جس کے لئے متن کی تہوں کو کنگھالنا چاہیے، کیونکہ مورخین نے بہت سے افسانوں کو بھی جنم دیا ہے۔ واقعہ کربلا کے بیانیہ میں تضاد موجود ہے، جو دشمن کی منظم سازش کا حصہ تھا تاکہ کربلا کی واقعاتی حیثیت کو مشتبہ کر دیا جائے۔ ایسی متضاد اور افسانوی روایات کو مسترد کرنے کے لئے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ سیرت کا مطالعہ ان شکوک و شبہات کے ازالہ اور تضادات کے خاتمے کا سبب بنے گا جو مورخین نے پیدا کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم مقتل کا مطالعہ کرتے وقت حمید ابن مسلم کی روایات پر انحصار نہیں کر سکتے۔ یہ وہ شخص ہے جو یزید کے لشکر میں شامل تھا اور اہل بیتؑ پر ظلم و ستم میں یزیدی لشکر کے ظالموں سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں تھا۔ اس کی روایات مخدوش اور قابل یقین نہیں ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جو امام حسینؑ کے قتل کے بعد آپ کے سر کو انعام کے لالچ میں یزید کے پاس لے کر گیا تھا جب حضرت مختار نے انتقام خون حسینؑ کا نعرہ بلند کیا اور کوفہ پر آپ کا اقتدار قائم ہوا، اس وقت حمید ابن مسلم اور اس جیسے دیگر خائن اور ظالم افراد نے اہل بیتؑ رسول کے ساتھ اپنی ہمدردی کے فرضی قصوں کو عام کیا۔ اس دور میں قاتلوں نے حضرت مختار ثقفی کی تلوار سے بچنے کے لئے متعدد روایات کو وضع کیا، جو مقاتل اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں، ان کا تقابلی جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہمارے علما، مفکرین اور محققین نے قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ خاص طور پر شہید مطہری علیہ الرحمہ نے واقعۂ کربلا کا غائرانہ مطالعہ پیش کیا۔ انہوں نے ایسی روایات کو جانچا اور پرکھا جن سے دشمن کی سازشوں کی بو آتی تھی۔ یہ الگ بات کہ اس علمی مطالعہ پر ان کی کورانہ مخالفت بھی ہوئی، لیکن اس مخالفت کا کوئی علمی اور تحقیقی جواز نہیں تھا، جو بہت کم عرصے میں ماند پڑ گئی، بلکہ یکسر ختم ہو گئی۔

دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ واقعہ کربلا کو فقط کربلا کے جغرافیائی حدود کے اندر قید نہیں کیا جاسکتا۔ کربلا کے بعد بھی مظالم کا سلسلہ تھما نہیں تھا اس لئے ان واقعات اور مظالم کے بارے میں بھی جاننا ضروری ہے، جو کربلا کے واقعہ کے بعد رونما ہوتے رہے۔ اس سے کربلا کے شہدا کی مظلومیت، حقانیت، آفاقی ہدف اور یزیدیت کے فکری فلسفے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ماثور زیارات

ماثور زیارات کے ذریعہ ہم تمام شہدا اور اصحاب ائمہؑ کی عظمت تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ ماثور زیارتیں ہمارے لئے ایک قیمتی ذخیرہ ہیں، البتہ ان جملوں پر غور و خوض کی ضرورت ہے جو معصوم کی زبان عصمت مآب پر آئے ہیں۔ اس کی ایک مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ دو زیارتیں جو معصوم سے وارد ہوئی ہیں، ان کے مطالب اور کیفیت میں کس قدر نمایاں فرق ہے، اس کو محسوس کرنا چاہیے۔ پہلی زیارت امام حسینؑ کے لئے وارد ہوئی ہے جس کی سند امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہونچی ہے۔ یہ ایک مستند و معتبر زیارت ہے جسے ہم کربلا میں ضریح امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ دوسری زیارت حضرت عباس علیہ السلام کے لئے وارد

ہوئی ہے، جس کا سلسلۂ سند بھی امام صادق علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ دونوں زیارتوں میں جملوں کی ساخت، معصوم کا انداز بیان، اور شہدائے کربلا کی عظمت الگ نظر آتی ہے۔ چونکہ امام حسینؑ درجۂ عصمت پر فائز ہیں، لہذا ان کے لئے معصوم کی طرف سے اسی شان اور کرامت کے جملے صادر ہوئے ہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام کی عظمت اور منزلت بہت بلند ہے مگر وہ قطعاً امام معصوم کے ہم پلہ نہیں ہیں، لہذا ان کی شان و منزلت کے مطابق معصوم کی زبان پر جو کلمات آئے ہیں، ان پر غور و خوض کیا جانا چاہیے۔ اس زیارت میں حضرت عباس کی عظمت، مرتبے اور شان میں اضافے کی دعا کی گئی ہے، جبکہ امام حسینؑ کی زیارت میں ایسا نہیں ہے۔ زیارت کے جملے ملاحظہ فرمائیں:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بالَغْتَ فِي النَّصِيحَةِ، وَأَعْطَيْتَ غايَةَ الْمَجْهُودِ، فَبَعَثَكَ اللهُ فِي الشُّهَداءِ، وَجَعَلَ رُوحَكَ مَعَ أَرْواحِ السُّعَداءِ، وَأَعْطاكَ مِنْ جِنانِهِ أَفْسَحَها مَنْزِلاً، وَأَفْضَلَها غُرَفاً، وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي عِلِّيِّينَ، وَحَشَرَكَ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَداءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقاً. أَشْهَدُ أَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ، وَأَنَّكَ مَضَيْتَ عَلىٰ بَصِيرَةٍ مِنْ أَمْرِكَ، مُقْتَدِياً بِالصَّالِحِينَ، وَمُتَّبِعاً لِلنَّبِيِّينَ، فَجَمَعَ اللهُ بَيْنَنا وَبَيْنَكَ وَبَيْنَ رَسُولِهِ وَأَوْلِيائِهِ فِي مَنازِلِ الْمُخْبِتِينَ فَإِنَّهُ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.

علما کی علمی روش کا اتباع

ہر عہد میں ہمارے علما اور ذاکرین کو قدما کی روش اور انداز تبلیغ پر بھی توجہ کرنا چاہیے۔ انہیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے بزرگ اور مستند علما نے تاریخی اور عقیدتی مسائل کو کس انداز میں پیش کیا ہے اور کن مسائل کو عوام کے درمیان بیان کرنے سے احتراز کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کا تاریخی مطالعہ محدود تھا یا وہ عقیدتی پیچیدگیوں پر علی الاعلان تنقید نہیں کرسکتے تھے، مگر بعض اختلافی مسائل پر عوام کے درمیان ان کی خاموشی، یا بیان میں عوامی مصلحتوں کا لحاظ اور عقائد کی گتھیوں کو سلجھانے میں ان کا محتاط رویہ، آج بھی ہمارے لئے دعوت فکر ہے۔ اگر ہم ان کے فکری و سیاسی خطوط کو رہنما مان کر قوم کے درمیان کار تبلیغ انجام دیتے تو شاید آج بہت سے فکری اور عقیدتی اختلافات سے بچا جاسکتا تھا۔

موجودہ زمانے میں ہمارے بعض علما جو منبروں کی زینت بھی ہیں، اپنے مطالعہ کی دھونس جمانے کے لئے ایسی روایات کو "تحقیق" اور "جدت" کے نام پر بیان کردیتے ہیں جو قوم میں اختلاف اور انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان روایات کا بیان ہمارے لئے کوئی انکشاف ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام باتیں کتب مقاتل اور تاریخ میں موجود ہیں۔ چونکہ ان روایات کو ہمارے معتبر اور مستند علما نے کبھی منبر سے عوام کے سامنے بیان نہیں کیا، اس لئے احتراز کیا جاتا رہا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ علما ان روایات کو محققین اور اہل فکر و نظر کے سامنے بیان کرتے تھے۔ ان کا تعلق کتابوں اور علمی رسالوں سے ہوا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ باتیں عوام کے درمیان رکھی

جاتی تھیں،اس طرح عوام کی ذہن سازی کے لئے پہلے پہلے مضامین کی شکل میں ان روایات کا احاطہ کیا جاتا تھا، تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے ۔ آج ہمارے علما ان روایات کو ''تحقیق''اور ''جدت''کے نام پر بغیر سماجی رویوں کی تفہیم کے بیان کر دیتے ہیں ۔مثال کے طور پر حضرت قاسمؑ کے عقد کا مسئلہ،جو ہمیشہ علما کے درمیان اختلافی موضوع رہا ہے، مگر کبھی اس بارے میں عوام کے درمیان مباحثہ نہیں ہوتا تھا ۔اس کے لئے محققین اپنی رائے کو علمی مقالوں کے ذریعہ اہل فکر و نظر کے سامنے رکھتے تھے، مگر اب ایسا نہیں ہے۔

عصر حاضر میں حضرت مختار ثقفی کے بارے میں متنازعہ آرا منصہ شہود پر آرہی ہیں ۔ایسا نہیں ہے کہ حضرت مختار ثقفی کے بارے میں کچھ نیا بیان کیا جارہا ہے، بلکہ ابتدا سے ہمارے علما کے درمیان حضرت مختار ثقفی کی سیاسی زندگی کے بارے میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں، لیکن یہ تمام باتیں محققین اور علما کے درمیان موضوع بحث رہتی تھیں، مگر اب بے تکان عوام کے درمیان بر سر منبر ان اختلافی موضوعات کو پیش کیا جارہا ہے، جس سے قومی خلفشار میں اضافہ ہوا ہے۔اسی طرح حضرت عون محمد کے بارے میں بہت سی باتیں تاریخ میں مندرج ہیں، جو کبھی منبر سے بیان نہیں ہوتی تھیں ۔اس طرح کی بے شمار روایات ہیں جو مقاتل اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں ،جن کو پہلے عوام کے سامنے بحث (ڈسکیشن) کے لئے پیش نہیں کیا جاتا تھا مگر اب سلسلہ شروع ہو چکا ہے جس کے خطرناک نتائج دیکھے جارہے ہیں۔ورنہ جس وقت خطۂ اودھ میں مرثیہ نگاری کو فروغ حاصل ہو رہا تھا،اس وقت علما نے شاعروں کو بر سر منبر ضعیف روایات کو نظم کرنے پر ٹوکا،لیکن اس ٹوکنے سے جب مسئلے کا حل ممکن نہیں ہوا، تو انہوں نے علما کو منبروں پر جاکر واقعہ کربلا بیان کرنے کی ترغیب دی۔اس کے لئے حضرت غفران مآب نے سب سے پہلے ہندوستان میں اپنی علمی تحقیق کے مطابق مقتل کی معتبر اور مستند روایات کا مجموعہ ''اثارۃ الاحزان'' ترتیب دیا،جو زمانۂ دراز تک علما کے درمیان بے حد مقبول رہا۔حضرت غفران مآبؒ کے بعد ان کے شاگردوں نے کتب مقاتل سے صحیح روایات کو جمع کرنا شروع کیا اور کئی مقتل آمادہ کئے جن میں 'مجالس مفجعہ''اور ''ضیاء الابصار'' کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔مولانا اکبر علی صاحب طاب ثراہ نے اردو میں پہلا تحقیقی مقتل تحریر کیا جو ہمارے علما اور ذاکرین کی دسترس میں نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ مقتل کتب خانوں میں موجود نہ ہو۔انہیں چاہیے کہ ایک بار اس مقتل کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ اس سے عمومی استفادہ کی راہیں ہموار ہو سکیں۔امتداد زمانہ کے ساتھ یہ معتبر و مستند مآخذ ہماری دسترس سے دور ہوتے گئے، جن پر از سر نو کام کرنے کی ضرورت ہے۔

موجودہ عہد میں بھی ہمارے علما اور محققین کو اس راہ میں پیش رفت کرنے کی ضرورت ہے۔سید العلما مولانا علی نقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے بعد فکری اور تحقیقی جمود کا ایسا طویل سلسلہ ہے جس نے ہماری علمی اور تحقیقی ساکھ کو متاثر کیا ہے۔جبکہ ہم دیگر اسلامی مکاتیب فکر میں مسلسل علمی و تحقیقی کاموں میں پیش رفت دیکھ رہے ہیں، مگر ہندوستان میں ہمارے یہاں جمود کی فضا قائم ہے۔نئے لکھنے والے بھی روایتی مضامین لکھنے تک محدود ہیں، جن سے کوئی خاص فکری انقلاب ممکن نہیں ہے۔

کربلا کی فہمائش کا مسئلہ

میرے ناقص خیال میں کربلا فہمی سے بڑا مسئلہ کربلا کی فہمائش کا ہے ۔انسان اپنی عقل اور علمیت کے مطابق کربلا فہمی کے معیارات کو پورا کرسکتا ہے لیکن وہ کربلا کی صحیح فہمائش بھی کرسکے ،یہ شاید آسان کام نہیں ہے ۔اس بارے میں ہمیں بہت سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے ۔خاص طور پر ہمارے علما کو کربلا کی فہمائش کے ضابطے اور معیارات طے کرنے چاہیے ۔ آج ہمارے درمیان واقعۂ کربلا اور اس سے متعلق تاریخی حقائق اور انطباقات کے سلسلے میں جتنے تنازعات اور ٹکراؤ کی صورتحال ہے ،وہ کربلا کی صحیح فہمائش نہ ہونے کی بنیاد پر ہے ۔ ممکن ہے ایک انسان نے کربلا کو صحیح معیار پر سمجھا ہو ،لیکن آیا وہ اس کی اسی معیار پر صحیح فہمائش بھی کرسکتا ہے ؟ یہ اس سے الگ اور اہم موضوع ہے ۔منبر پر موجود ہمارے علما اور خطبا کا اخلاص اور محنتیں قابل فخر ہیں ،لیکن ان کی اکثریت اس بارے میں زیادہ متوجہ نہیں ہے کہ وہ کربلا کی فہمائش کس سطح پر اور کس معیار پر کریں گے ۔اس کا خمیازہ قومی اختلاف اور نوجوانوں کے درمیان موجود ذہنی و فکری انتشار کی صورت میں سامنے آرہا ہے ۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے سانحۂ کربلا کے عصری انطباقات پر ہمیں بہت زیادہ غور و فکر کرنا ہوگا ۔کیونکہ انطباقات میں فکری لغزش کا اندیشہ بہت ہے اور ایسا دیکھا بھی جارہا ہے ۔ہر انسان اس راہ کو سر نہیں کرسکتا ۔پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ سانحہ کربلا کو معاصر سماجی و تہذیبی و سیاسی رویّوں کے ساتھ تطبیق کون دے سکتا ہے ؟ اور اس کا علمی و فکری معیار کیا ہونا چاہیے ؟ ہر انسان اس میدان میں کامیاب نہیں ہوسکتا اور نہ ہر انسان کو اس میدان میں وارد ہونا چاہیے ۔ ممکن ہے ایک انسان بذات خود سانحۂ کربلا کو باور کرسکتا ہو لیکن یہ ضروری نہیں ہے وہ معاصر صورتحال سے مناسب تطبیق بھی کرسکے ۔اس کے لئے گہرا تاریخی مطالعہ ،تاریخی واقعات کے تسلسل اور متضاد صورتحال کا صحیح فہم نیز معاصر سماجی و سیاسی اقدار پر گہری نظر ہونی چاہیے ۔اگر ایسا نہیں ہوگا تو واقعات کی تطبیق میں اشتباہات راہ پائیں گے ،جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں ۔

جدید ٹیکنالوجی کا استعمال

معاصر عہد ماڈرن ٹیکنالوجی اور مختلف ترقیات کا عہد ہے ۔اس عہد میں ہم پیغام کربلا اور اہداف امام حسینؑ کی ترسیل و تبلیغ کے لئے ہر اس پلیٹ فارم کا استعمال کرسکتے ہیں ،جو اس کے لئے مفید اور لازم ہے ۔ لیکن اس ٹیکنالوجی کو ہم ایک کارآمد وسیلہ کے طور پر استعمال کریں ،نا کہ اس کو اپنا ہدف قرار دیں ۔کیونکہ ٹیکنالوجی جذبات و احساسات سے عاری ہوتی ہے ۔ جس طرح قانون میں قوت متحرکہ نہیں ہوتی ہے ،یعنی قانون کو نفاذ کے لئے افراد اور مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے ،اسی طرح ٹیکنالوجی جذبات و احساسات سے عاری ہوتی ہے ۔ ہم اس کا استعمال کرسکتے ہیں ،مگر اس پر انحصار نہیں کرسکتے ۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ پیغام کربلا کی ترسیل کے لئے سوشل میڈیا اور ماڈرن

ٹیکنالوجی پر انحصار کیاجارہاہے،یہ درست نہیں ہے ۔ایک زمانہ وہ تھاکہ جب یوٹیوب پر تکیہ کیاگیا۔ آج یوٹیوب کی حیثیت ثانوی ہے اور اس کی جگہ ”ریل“ نے لے لی ہے جس پر ہم ایک یا ڈیڑھ منٹ کا ویڈیو اپ لوڈ کرسکتے ہیں ۔ ظاہر ہے نوجوان نسل اس گرداب میں الجھی ہوئی اس لئے ہمارے بعض علما اور ذاکرین نے اس طرف توجہ کی ہے، جس کی ستائش کی جانی چاہیے ۔لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ہم ڈیڑھ منٹ کی کلیپ سے انہیں اپنی طرف مائل کرسکتے ہیں ،لیکن نوجوان نسل کے ذہنوں میں اٹھتے ہوئے سوالات کا جواب اور دشمن کی فکری یلغار کامقابلہ نہیں کرسکتے ۔اس کے لئے ہمیں اسی پلیٹ فارم کی ضرورت ہے جس کا انتخاب اور صحیح استعمال شریکۃ الحسینؑ حضرت زینب سلام اللہ علیہانے فرمایاتھا یعنی عزاداریٔ امام حسینؑ۔ ہمارے پاس اس سے بہتر اور موثر پلیٹ فارم نہیں ہے ۔ ہر پلیٹ فارم کے اپنے مسائل اور محدودیت ہے مگر یہ پلیٹ فارم عمومیت رکھتاہے جس کی تاثیر سے دشمن بھی خوف زدہ ہے ۔

دروس کا اہتمام

نوجوانوں کے لئے تربیتی کلاسیز کا اہتمام نہایت ضروری ہے ۔ان کلاسیز کا انعقاد ہفتہ وار ،ماہانہ یا سمر اور ونٹر کلاسیز کی صورت میں ہوسکتا ہے ۔ان کلاسیز میں انہیں واقعہ کربلا کی آفاقیت ،اس کی عالمی تاثیر ،امام حسینؑ کے قیام کے اہداف ،تاریخ کربلا کا عبوری جائزہ ،سیرت اصحاب حسینؑ ،اور واقعۂ کربلا کے بعد کے مستند تاریخی واقعات کے بارے میں باخبر کیاجاسکتاہے ۔اس کے دو بڑے فائدے ممکن ہیں ۔ایک تو یہ کہ نوجوان واقعۂ کربلا کی حقیقت اور تاریخی حیثیت سے واقف ہوں گے ۔دوسرے یہ کہ جو لوگ منبروں سے تاریخی حقائق کے خلاف بیان کرتے ہیں اس پر روک لگائی جاسکتی ہے ۔ساتھ ہی وہ لوگ جو عقیدتی تخریب کا شکار ہیں ،ان کی اصلاح بھی ہوسکے گی ۔ان دروس کا اہتمام ذاکرین کے لئے بھی کیاجاسکتاہے جس میں ہمارے علما اہم کردار ادا کرسکتے ہیں ۔

صالح فکر ذاکرین کو دعوت

اپنی مجلسوں کے انعقاد کے لئے ہم بڑی جاں فشانی کرتے ہیں ۔مگر عام طور پر یہ جاں فشانی کا جذبہ مجلس کے ظاہری اہتمام تک محدود ہوکر رہ جاتاہے ۔ہمیں ظاہری اہتمام کے ساتھ روحانی اور باطنی اہتمام پر بھی توجہ دینی چاہیے ۔ہمیں چاہیے کہ ایسے ذاکروں کو منبر رسول پر مجلس کے لئے دعوت دی جائے جو صالح فکر اور اصلاح کا جذبہ رکھتے ہوں ۔فکری اور عقیدتی اختلاف و انتشار کو ہوا دینے والے لوگوں سے گریز کیاجائے ۔یا انہیں اپنے فکری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے ،جس کے بہت کم امکانات ہیں ۔ہماری قوم کی اصلاح ،پیغام کربلا کی ترسیل اور اہداف ائمہ کی فہائش کا ہمارے پاس منبر سے بہتر ذریعہ نہیں ہے ۔اس لئے منبر کے تقدس کی حفاظت ہم سب پر فرض ہے ۔ساتھ ہی ہماری ذمہ داری ہے کہ منبر کو ’فضائل‘ اور ’تبلیغ‘ میں تقسیم نہ کیاجائے بلکہ ’فضائل اہل بیتؑ‘ کے بغیر تبلیغ ممکن نہیں اور تبلیغ

دین میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے کردار کو نمونۂ عمل بنائے بغیر اصلاح معاشرہ نہیں ہوسکتی۔اس لئے اس تقسیم پر وقت ضائع نہ کیا جائے۔

شعراء کی تربیت

کربلا کی فہمائش میں شاعری کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔لیکن اکثر موقعوں پر ہماری شاعری موضوعاتی اور فکری سطح پر بے راہ روی کا شکار ہوجاتی ہے۔ہم ایسے مضامین نظم کرنے لگتے ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس لئے شعرا کی تربیت ہونی چاہیے۔جس طرح ہمیں ذاکرین کی فکری اور نظریاتی تربیت کی ضرورت ہے اسی طرح شعرا کی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔اگر ہم منقبتوں کا جائزہ لیں تو ان میں ایسے افکار و خیالات کو نظم کیا جارہا ہے جو شریعت اور اہل بیتؑ کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔اسی طرح نوحوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسے بینیہ نوحے لکھے جارہے ہیں جن کا حقیقت واقعہ سے دور کا بھی ربط نہیں۔یعنی کم از کم نوحہ لکھتے وقت یہ تو خیال رہے کہ آیا امام حسینؑ یا اہل حرمؑ نے بین کرتے وقت کن الفاظ اور جملوں کا انتخاب کیا تھا۔شاعری میں تصور کو بڑی اہمیت ہے لیکن بہر حال تصور اور خیال کی ایک حد ہونی چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ ہم تصور کے نام پر غلط بیانی کرتے رہیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔

حاصل کلام

کربلا کی افہام و تفہیم کے لئے ہر اس مناسب اور مبتلا بہ ذریعہ کا استعمال کیا جانا چاہیے جو معاصر عہد میں مروج اور نوجوانوں کے لئے پُرکشش ہے۔لیکن ان ذرائع کے استعمال کے وقت نوجوانوں کے جذبات و احساسات کا دھیان رکھا جانا چاہیے اور ان کی نفسیات کا بغور مطالعہ کرتے رہنا چاہیے کیونکہ جذبات و احساسات سے عاری ٹیکنالوجی وہ انقلاب برپا نہیں کرسکتی جس کی ہم امید رکھتے ہیں۔عزائی سماج کو سماعی علم کے بجائے کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے اور امام باڑوں میں چھوٹی چھوٹی لائبریریوں کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں نوجوانوں کو کم از کم ہفتے میں ایک دن مطالعہ کی دعوت دی جائے اور ان کے لئے مسابقاتی کورسیز کا اہتمام کیا جائے۔اس کے علاوہ دیگر متبادل ذرائع پر بھی غور کیا جاسکتا ہے تاکہ ایک صالح عزائی معاشرہ وجود میں آسکے۔

❊ ❊ ❊

امام زین العابدین علیہ السلام کے مجاہدانہ سیاسی منصوبے اور کارکردگی

سید حمید الحسن زیدی

امام زین العابدین علیہ السلام جس دور میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ دور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ میں سب سے مشکل دور تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں وہ انحرافات اور گمراہیاں اپنے عروج پر تھیں جن کا آغاز رسول اسلامؐ کی وفات کے بعد سے شروع ہوا تھا۔

یہاں تک امام زین العابدین علیہ السلام کے دور میں گمراہی اور صحیح راہ سے کنارہ کشی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی تھی بلکہ اس دور کے حکام وقت، علی طور پر اپنے گمراہ کن نعروں میں اس کا اعلان کرتے تھے۔ خلفاء وقت کا مکروہ چہرہ حقیقت میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہی امت مسلمہ کے سامنے آگیا تھا۔ اس حادثہ عظمیٰ کے بعد ہی لوگوں کے سامنے ان حکام وقت کی گندی صورت حال واضح ہوگئی تھی اور ان کے سامنے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کوئی ذریعہ باقی نہیں رہ گیا امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ساتھ واقعہ کربلا کے عظیم مصائب کو برداشت کیا یہاں تک کہ عصر عاشور کے بعد امامت وقیادت کی یہ اہم ذمہ داری تنہا آپ کو ہی اٹھانا پڑی اور آپ نے ایسے سنگین حالات میں ہر رنج و مصیبت کو برداشت کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بنی امیہ کا لشکر مسجد نبویؐ میں داخل ہو رہا ہے اور اس کے ذریعہ اس مقدس حرم رسول میں گھوڑے باندھے جا رہے ہیں۔ وہ جو مسجد پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ بنائی گئی تھی۔ اسلامی تعلیمات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہونچانے کا ذریعہ تھی،

اس زمانہ میں اپنے مخالفین کو کچلنے اور ان کی آواز دبانے کا سب سے آسان راستہ قتل و خونریزی تھا، انتقام کی آگ بجھانے کے لئے ناک کان کاٹ کر مثلہ کرنا، درختوں پر سولی دینا، ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا اور اس جیسے نہ جانے کتنی طرح کی سزائیں گویا اس دور کی روزمرہ کی زبان تھیں۔ بنی امیہ کا فساد و گمراہی اور من مانی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ اس میں پوری طرح ڈوب گئے تھے مورخین نے اسلامی اقتصاد اور مسلمانوں کے بیت المال کے ساتھ ان کے کھلواڑ کے بہت سے نمونے ذکر کئے ہیں۔[1] یہاں تک کہ شعراء اور گانے بجانے والوں کو اسلامی بیت المال سے بلا کسی حساب و کتاب کے عظیم سرمائے عطا کئے جاتے تھے۔[2]

ایسے حالات میں امام زین العابدین علیہ السلام کی حکمت علی کا اظہار آپ کے اس بیان سے ہوتا ہے جو آپ نے مکہ کے راستے میں عبد بصری کے جواب میں دیا تھا

---

[1]. حیات الامام زین العابدین علیہ السلام، دراستہ و تحلیل ص/ ٦٦٥

[2]. الاغانی/ ج/ ١، ص/ ٥٥۔ ج/ ٤، ص/ ٤٠٠۔ ج/ ٥، ص/ ١١١

امام زین العابدین علیہ السلام سے مکہ کے راستہ میں عباد بصری نے سوال کیا کہ آپ نے جہاد اور اس کی صعوبتوں سے کنارہ کشی کرتے ہوئے حج کی آسانیاں اختیار کر لیں جب کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے :ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم خداوند عالم نے مومنین کے جان و مال کو خرید لیا ہے۔[1]

امام علیہ السلام نے جواب دیا:اس کے بعد کی آیات بھی پڑھو:

التائبون العابدون الحامدون الصائمون الرا کعون الساجدون الآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر و الحافظون لحدود اللہ و بشر المومنین

وہ لوگ جو توبہ کرنے والے،عبادت گذار،حمد و ثنا کرنے والے،روزہ دار،رکوع و سجدہ بجالانے والے،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے میرے رسول مومنین کو بشارت دے دیجئے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ان صفات کے حامل مومنین مل جائیں تو ہماری نظر میں سب سے زیادہ ترجیح جہاد کو ہوگی۔[2]

امام علیہ السلام نے اپنے اس جواب میں اپنی سیاست،اپنے جہاد کی قسم اور اپنی تحریک کے تمام منصوبوں کو مکمل طور پر واضح لفظوں میں بیان کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ ہمارے منصوبے کس طرح عملی جامہ پہن سکتے ہیں آپ کا بنی امیہ کے لشکر سے آمنے سامنے مسلح جہاد نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ کو زندگی عزیز تھی یا آپ کو دنیا اور اس کی مادی نعمتوں سے محبت تھی جیسا کہ عباد بصری گمان کر رہا تھا بلکہ آپ نے مسلح جنگ کا یہ طریقہ اس لئے ترک کیا تھا کہ اس میں کامیابی کے ضروری شرائط و امکانات نہیں پائے جا رہے تھے ایسے حالات میں اگر کوئی مسلح اقدام کیا جاتا تو نہ صرف یہی کہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا بلکہ اس کا نتیجہ بالکل برعکس نکلتا۔

کربلا کے المناک سانحہ کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام اور خاندان اہل بیتؑ کی بزرگ خواتین جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نے بنی امیہ کے چہرہ کو بے نقاب کرنے اور لوگوں کو ان کے سیاہ کارناموں سے واقف کرنے کی سیاست اختیار کی تھی تاکہ وہ لوگ خدا اور رسول کے سامنے اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو سکیں اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام اور ان کے گھرانے کی پاکیزہ خواتین نے تمام اہل عراق کے افکار و خیالات کو ایک ساتھ مخاطب قرار دیا تھا۔اور ان کو دین کے سلسلہ میں بنی امیہ کے سنگین جرائم کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنا ان ذوات مقدسہ کا بنیادی مقصد تھا۔

[1]. توبہ/۱۱۱

[2]. من لایحضرہ الفقیہ ج/۲ص/۱۴۱؛مناقب آل ابوطالب/ج/۴،ص/۱۷۳الفاظ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ

شام میں امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے خاندان کے اسیروں کے فضائل و کمالات بیان کئے اور اپنی تعریف و تمجید فرمائی۔ اور لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ وہ آل رسولؐ ہیں اس کے بعد بنی امیہ کی حکومت کی مذمت کرتے ہوئے ان شام والوں کو بنی امیہ کو حکومت سے بے دخل کرنے پر اکسایا جن کو گمراہ کن اطلاعات کے ذریعہ حقائق سے غافل رکھا گیا تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے مدینہ واپسی پر شہر مدینہ میں داخلہ سے پہلے دنیائے اسلام کو بیدار کرنے اور ان کو اسلام اور رسالت مآبؐ کے آفاقی پیغام پر پڑنے والی مصیبتوں منجملہ واقعہ کربلا کی دردناک تفصیلات سے واقف کرانے کیلئے اہم اقدامات انجام دئے،لوگوں کے سامنے آپ کی تقریر میں انہیں مطالب کی تفصیل بیان کی گئی۔

واقعہ کربلا میں اس بات کی آزمائش ہوگئی کہ اسلامی امت مکمل طور پر خواب غفلت میں مبتلا حالات زمانہ سے بیگانہ ہے اور اس میں عزم و حوصلہ کا فقدان ہے اور اگر ہم یہ نہ کہیں کہ ان کی جہادی روح بالکل ختم ہوچکی تھی تو کم سے کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکمل طور پر بے حسی کا شکار ہوگئی تھی۔ ایسے حالات میں امام زین العابدین علیہ السلام کے کاندھوں پر امت کی امامت کی ذمہ داری تھی جن پر پوری امت کی نگاہیں رہتی تھیں گویا تمام مسائل میں صرف آپ ہی کو مرجع تصور کیا جاتا تھا۔ آپ نے ان تمام حالات پر عبرت آمیز نگاہ ڈالی اور اپنی مجاہدانہ کارکردگی کیلئے اس طرز عمل کا انتخاب کیا جس کا فائدہ معاشرہ میں دینی فضا ہموار کرنے اور اس کو پوری اسلامی دنیا میں وسعت بخشنے کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا آپ کی کوششیں اسلامی دنیا میں بیداری پیدا کرنے،سماج کے مختلف لوگوں کے لئے نت نئے علمی راستہ تلاش کرنے اور بنی امیہ کے خاص طرز تفکر کے مقابلہ میں خالص اسلام کی تبلیغ کرنے والے پاکیزہ افراد کی تربیت پر مرکوز تھیں۔

آپ کے اس طرز عمل اور اس طریقہ کار کے صحیح ہونے پر متعدد دلیلیں ہیں:

سالوں سال اسے گمراہ طاقتیں لوگوں کی فکری اور سماجی اصلاحات کے مراکز پر قبضہ جمائے تھیں اور ان کی کوشش تھی کہ ان کے اس منصوبہ بند طریقہ کار سے ایسی نسلیں وجود میں آئیں جو ضلالت و گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ ان طاقتوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے خالص اسلامی طرز تفکر ان کے سامنے کھلم کھلا صف آرائی نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ وہ گمراہ طاقتیں مضبوط دفاعی حصار کے استحکام کیلئے بہت سی تنظیمیں اور جماعتیں بنا چکی تھیں جن سے علی الاعلان صف آرائی حقیقی اسلام کو فائدہ کے بجائے صرف نقصان ہی پہونچا سکتی تھی۔

اسی وجہ سے جب تک ائمہ معصومین علیہم السلام کے لئے باقاعدہ خلافت و حکومت حاصل ہونے کا امکان نہیں تھا اس وقت تک کم سے کم حقیقی اسلام کے نام اور اس کی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور لوگوں میں اس کے تئیں بیداری بڑھانے کی سیاست پر عمل کیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس میں کسی طرح کی تاخیر ممکن نہیں تھی اس طرز عمل سے ان ذوات مقدسہ کے اس طرز عمل سے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے فی

الفور موجود اسلامی بیداری کی حفاظت کرتے ہوئے طویل مدت پروگرام کے تحت مستقبل میں اس سے بہتر نتائج حاصل کرنے کی امید تھی اور اس طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ لوگوں کے روابط اور وابستگی بھی اپنی جگہ پر محفوظ تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے ذریعہ معین کئے گئے خطوط اور آپ کے ذریعہ اختیار کیا گیا راستہ اپنے اعتبار سے مختلف جہتوں سے بے انتہا کامیاب رہا یہاں پر اس کے دو اہم مصداق مثال کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں:

سماجی اور معاشرتی میدان میں امام کے طرز عمل اور آپ کے ذریعہ اختیار کئے گئے راستہ کا فائدہ یہ ہوا کہ امت اسلامی کی ایک بڑی تعداد کے لئے ان ذوات مقدسہ کی محبت اور ان کی ولایت و سرپرستی قبول کرنے کے حالات پیدا ہوئے اس زمانہ میں ان حضرات معصومین علیہم السلام کی مقبولیت اور ان سے لوگوں کی محبت کا تذکرہ تمام تاریخی منابع اور مدارک میں واضح طور پر موجود ہے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ ہشام بن عبد الملک اپنے باپ کے دور حکومت میں حج کیلئے مکہ آیا طواف کے بعد اس نے حجر اسود تک پہونچنے اور اسے اپنے ہاتھ سے چھو کر بوسہ دینے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے وہاں تک پہونچنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اس کے لئے ایک منبر نصب کر دیا گیا جس پر بیٹھ کر وہ وہاں موجود مجمع کا نظارہ کرنے لگا اس کے ساتھ شام کے امراء اور بااثر افراد کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی، ہشام ابن عبد الملک اپنے افراد کے درمیان اس منبر پر بیٹھا حاجیوں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ ناگاہ علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام تشریف لاتے دکھائی دئے۔ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ وجیہ اور خوبصورت تھے اور آپ کے وجود مبارک سے سب سے بہترین خوشبو پھوٹ رہی تھی آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے جیسے ہی آپ نے حجر اسود کی طرف رخ کیا مجمع کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا اور آپ با آسانی حجر اسود تک پہونچے اور اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے مس کیا یہ منظر دیکھ کر ہشام کے ساتھ شام سے آئے ہوئے ایک شخص نے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کو دیکھتے ہی مجمع ہٹتا چلا گیا اور اس نے با آسانی حجر اسود تک رسائی حاصل کر لی۔

ہشام جو اس پورے منظر کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگا تھا اس سوال کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر بولا: میں اسے نہیں پہچانتا اسے خوف تھا کہ کہیں اہل شام امام کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور کہیں ان کے دلوں میں امام کی محبت نہ قائم ہو جائے۔

جب ہشام اور شام کے اس شخص کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت وہاں عرب کے مشہور شاعر فرزدق بھی موجود تھے انہوں نے ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں انہیں پہچانتا ہوں اس شامی نے سوال کیا یہ کون ہیں؟ ابو فراس فرزدق نے اس سوال کے جواب میں بہترین تاریخی اشعار نظم کئے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

یہ وہ شخص ہے بطحا کی سرزمین جس کے قدم پہچانتی ہے، یہ وہ ذات ہے جس سے خانہ کعبہ اور حل و حرم واقف ہیں۔

یہ کائنات میں خدا کے سب سے بہتر بندہ کا لخت جگر ہے، یہ سب سے زیادہ نمایاں سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ متقی اور منتخب روزگار شخصیت ہے۔

جب اس ذات بابرکت پر قریش کی نظر پڑتی ہے تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ ان پر جملہ فضائل و کمالات اور اخلاقی خوبیوں کی انتہا ہے۔

یہ وہ ذات بابرکت ہے جس کی تخلیق کا سرچشمہ رسول خداؐ کی ذات گرامی اور ان کے عناصر وجود، ان کے اخلاق اور ان کے عادات واطوار پاک و پاکیزہ اور طیب و طاہر ہیں۔

اگر تم ان کو نہیں جانتے تو آگاہ ہو جاؤ کہ یہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند ہیں ان کے جد بزرگوار پر خداوند عالم نے سلسلہ نبوت ختم کیا ہے یہ پاکیزہ صفات انسان ہیں۔ خداوند عالم جن کی تعریف و توصیف فرماتا ہے اور اس نے عزت و احترام اور عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ ان کی عظمت و بزرگی کی داستان دست قدرت نے اپنے مخصوص نورانی قلم سے لوح محفوظ پر رقم کی ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ یہ کون ہیں؟ انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچاتا اور جسے پہچاننے سے تو نے انکار کیا ہے اس کو عرب و عجم پہچانتے ہیں وہ ان میں سے ہیں جن کی محبت عین دین اور جن سے بغض و عناد خلاف دین و مذہب ہے ان کی قربت میں نجات ہے اور وہ ہر بلا و مصیبت سے بچانے والے ہیں۔

اگر صاحبان تقویٰ کو شمار کیا جائے تو یہ افراد ان کے امام قرار پائیں گے اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ روئے زمین پر سب سے بہتر کون ہے تو انہیں افراد کے مبارک نام زبان پر جاری ہوں گے۔

مخلوق میں کون ہے جس کی گردن پر ان کا حق نہ ہو اور یہی حق تمام دوسرے افراد پر عظیم خاندان کی برتری کے اقرار کا ذریعہ ہے۔

جو خدا کی معرفت اور اس پر ایمان رکھتا ہے وہ تمام دنیا کی مخلوق پر ان کی فضیلت و برتری کا بھی قائل اور انہیں کے گھر کی دہلیز سے پوری امت اسلامی کو دین و شریعت کا پیغام ملا ہے۔

جب ہشام نے یہ بہترین قصیدہ سنا تو سخت غصبناک ہوا اور فرزدق جیسے عظیم شاعر کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرزدق کے لئے بارہ ہزار درہم بھیجے فرزدق نے یہ کہ کر واپس کر دیا کہ میں نے آپ کی تعریف و تمجید خدا کے لئے کی ہے عطاو بخشش کے لئے نہیں امام علیہ السلام نے جواب میں فرزدق سے کہلوایا: "انا اهل بيت اذا وهب شيئاً لا نستعيده" ہم اہل بیت جب کوئی چیز عطا کر دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے اس پر فرزدق نے آپ کے ذریعہ بھیجے گئے وہ درہم قبول کر لئے۔

یہ قصیدہ بہت طویل ہے اور بہت سے تاریخی اور ادبی منابع میں مذکور ہے۔[1]

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک عمومی محبت اور ولایت حاصل تھی جسے وسیع اسلامی دنیا کے مختلف گوشہ و کنار میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ مقدس ترین موقع اور محل پر جہاں صرف عبادت ہوا کرتی تھی وہاں پر بھی لوگ آپ کے احترام کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ امت اسلامی آپ کو امام بر حق سمجھتی تھی تبھی آپ کے لئے راستہ بنانے کو تیار ہو گئی تاکہ آپ کسی زحمت اور جگہ کی تنگی کے بغیر تمام مناسک حج با آسانی انجام دے سکیں جب کہ وہ لوگ امام کے ساتھ حکومت بنی امیہ کے بغض و عناد اور اس کے نتیجہ میں ائمہ اہل بیتؑ سے محبت و دوستی رکھنے والے افراد کے ساتھ بنی امیہ کے برے برتاؤ سے بھی واقف تھے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ

امام زین العابدین علیہ السلام کی علمی کوششیں بار آور ہونے لگیں تھیں اور آپ نے اپنے متوقع مقاصد حاصل کر لئے تھے۔ مسجد نبوی اور امام کا بیت مبارک ۳۵/ سال کی طویل مدت تک (امام کی مدت امامت) عالمی سطح پر آپ کی علمی اور فکری سرگرمیوں کے عینی شاہد ہیں۔ جہاں اسلامی علوم کے تمام طالبان دین و حق اپنے جملہ علمی مشاغل کے ساتھ آپ کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے اور آپ کو ان کے درمیان ایک مرکزیت حاصل تھی آپ کی یہ مرکزیت صرف مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ اس کے پوری دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ اپنے مخصوص مکتب فکر کی بنیاد ڈالی جو اپنے مزاج اور علوم و معارف کی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے تمام دوسرے مکاتب فکر سے ممتاز تھا جس سے تحصیل علوم کے بعد بہت سے بزرگ فکری رہنما، محدثین اور فقہا میدان علم و عمل کی سرگرمیوں میں مشغول دکھائی دئے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد شیعوں کا بکھر جانا اور ان کے درمیان آپسی رابطہ برقرار نہ رہ پانا امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے سب سے بڑا خطرہ تھا لہذا آپ کو سب سے زیادہ فکر دوبارہ شیعیت کو ایک جگہ پر جمع کر کے اس کو مرکزی حیثیت کرنے کی تھی تاکہ اس کی طاقت کو مضبوط بنا سکیں جس کے لئے روحانی اور معنوی تعلیم و تربیت کرنے تزکیۂ نفوس انجام دینے اور لوگوں کے دلوں میں دوبارہ امید کی کرن پیدا کرنے اور ان کو نئے سرے سے عزم و حوصلہ عطا کرنے کی ضرورت تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی سرگرم کارکردگی اور منظم طرز عمل کے ذریعہ شیعی دنیا میں دوبارہ جان ڈالنے میں کامیابی حاصل کی اور آپ نے اس راہ میں ہر ممکن طاقت، صلاحیت، حکمت اور جد و جہد سے کام لیا۔ آپ کی انہیں انتھک منصوبہ بند کوششوں کے ذریعہ کربلا کے دردناک واقعہ کے بعد بھی آج دنیائے شیعیت سر اٹھانے کے لائق ہے۔

---

[1]. وفیات الاعیان، ابن خلکان ج/۶، ص/۹۶؛ الارشاد، شیخ مفیدؒ، ج/۲، ص/۱۵۰ و ۱۵۱

امام زین العابدین علیہ السلام نے اس مرحلہ کی حساسیت اور اسکی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر اس زمانے کے حالات و واقعات کا بھرپور جائزہ لیااور محوس کی روشنی مناسب قدم اٹھائے۔ آپ کے اس طرز عمل اور کامیاب راستہ کے بارے میں کے اعتبار سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔

یہ بات طے ہے کہ صحیح علمی اور فکری جہاد سیاسی تحریک کے لئے صحیح و سالم فکر ایک اہم عنصر ہوتی ہے۔

تمام انسانوں کے لئے تہذیب و ثقافت کو وجود میں لانا اور ان کو زمانہ کے حالات و واقعات کے صحیح اسباب سے روشناس کرانا نیز اس سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا اور ان کے اوپر عائد دوسروں کے حقوق اور عائد دوسروں پر حقوق سے باخبر کرنا لوگوں کو حق سے دور کرنے اور اسلامی کی حقیقی تعلیمات سے روکنے والے تاریخ پر حاوی فاسد نظام حکومت کی بقا کو روکنے کے لئے ضروری تھا۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں اہم کردار ادا کیا آپ نے حکومت کی طرف سے عاید نقل حدیث پر پابندی کی سخت مخالفت کی (نقل حدیث تحریری اور زبانی دونوں طرح رسول اسلامؐ کی وفات کے بعد حکومت وقت کی طرف منع ہو گئی تھی) آپ نے احادیث نقل کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کو روایات و حادیث بیان کرنے پر اکسایا۔ آپ نے سنت پیغمبرؐ کی سخت پابندی کرتے تھے اور دوسروں کو اس کی رعایت اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ 'ان افضل الاعمال فعمل بالسنة و ان قل' سب سے بہترین عمل سنت پیغمبرؐ پر عمل کرنا ہے چاہے مختصر ہی کیوں نہ ہو۔[1]

جس زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام زندگی بسر کر رہے تھے یہ کوشش تھی کہ حق کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا جائے اور اس کی اس بنیاد کو کھو کھلا کر دیا جائے لیکن آپؑ نے ہر جہت سے چاہے وہ اجتماعی ہو معاشرتی یا سیاسی تمام جہات میں سرگرم رہ کر اسلام کا تحفظ کیا اگرچہ

بعض مؤرخین کے یہاں مشہور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں ہونے والے ائمہ معصومین علیہم السلام کربلا کے المناک واقعہ کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے ان کی ساری کوششیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور عبادت تک محدود ہو کر رہ گئیں تھیں اور انہوں نے دنیا سے مکمل طور پر اپنا ناطہ توڑ لیا تھا۔[2]

ان مؤرخین نے اپنے اس دعوی کی دلیل میں امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخ کا تذکرہ کیا ہے اور آپ کے بارے میں دعوی کیا ہے کہ آپ عام اسلامی زندگی سے بالکل علیٰحدہ ہو گئے تھے بظاہر مؤرخین کی اس غلط فہمی کا سبب امام حسین علیہ السلام کے بعد کسی امام کے ذریعہ اپنے زمانہ میں ظالم حکمرانوں کے خلاف کسی طرح کا مسلح اقدام نہ کرنا ہے۔ ایسے ناسمجھ مؤرخین کی نظر میں سیاسی قیادت کے معنی اور

---

[1]. المحاسن/۲۲۱ح/۱۳۳

[2]. نشاۃ الشیعہ و التشیع، شہید محمد باقر الصدرؒ

اس کا اصلی پہلو صرف یہی ہے کہ مسلح قیام کیا جائے جب کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی مدبرانہ سیاسی قیادت اور اس کی عظیم حکمت عملی کو اتنے محدود معنی کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں ائمہ معصومین علیہم السلام سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور انہوں نے دنیا سے بالکل منہ موڑ لیا تھا۔ یہ محض ایک خیال خام ہے جس کی

تکذیب اور تردید کے لئے ائمہ معصومین علیہم السلام کی حیات طیبہ کی حقیقت پر نظر ڈالنا ضروری ہے ان ذوات مقدسہ کی مبارک زندگی کے تمام واقعات اپنے زمانے کے تمام امور میں ان کی فعال حصہ داری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی امام زین العابدین علیہ السلام ہیں جن کی فعال زندگی امت اسلامی کے جملہ مسائل سے مکمل طور پر مربوط اور وسیع عوامی قیادت اور سرپرستی کی پوری طرح متحمل تھی۔ آپ اپنے پورے دور حیات میں اسلامی سماج کے ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں شریک رہے۔ اس سے پہلے حجر اسود کو مس کرنے کے سلسلہ میں حاجیوں کی بھیڑ چھٹ جانے کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ امت اسلامی کی یہ قیادت اور عوام الناس پر ایسی جامع سرپرستی کا حصول محض اتفاقی نہیں تھی اور نہ ہی صرف رسول اسلامؐ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے یہ خصوصیت حاصل ہو گئی تھی بلکہ اس کی بنیاد امامؑ کی عطاو بخشش اور عوامی مسائل کے حل میں آپ کا مثبت کردار تھا جو آپ حکومت سے الگ رہ کر ادا کرتے تھے۔ کوئی بھی امت عام طور پر کسی کو بلاوجہ اپنا قائد اور رہنما تسلیم نہیں کر لیتی اور کوئی شخص کسی امت کی قیادت و رہبری پر زبردستی قابض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بغیر کسی ایسی عطاو بخشش کے ان کے دلوں میں جگہ بنا سکتا ہے جس کو ہر حال میں امت اسلامی محسوس کرتی ہو اور اپنے مسائل و مشکلات کے حل کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں اس سے فائدہ اٹھاتی ہو لہٰذا ایسے حالت میں امام زین العابدین علیہ السلام کی دینی جد و جہد جو آپ کی سیاسی کارکردگی کی مکمل ترجمان تھی خصوصاً اس دور میں جب ابھی زبانوں پر دین و سیاست کے الگ ہونے کی گنگناہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی آپ کی فعال سیاسی کوششیں ایک بہت بڑا کارنامہ شمار ہو سکتی ہیں اگر ہم امام زین العابدین علیہ السلام کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کے ذریعہ سیاست میں واضح دخل اندازی کے نمایاں کارنامے دکھائی دیں گے اور جیسا کہ آپ کے صریح اعلانات و ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ سیاسی میدان میں ایک بہترین صاحب نظر، تجربہ کار شخصیت کے حامل تھے جنہوں نے اس سلسلہ میں گرما گرم بحثوں میں حصہ لیا اور زمانہ کے نت نئے حالات پر گہری نظر رکھی اور ایسے فاسد ماحول کا بھرپور مقابلہ کیا جس میں امت اسلامی کو گرفتار کیا گیا تھا۔ آپ کی سیاسی کارکردگی کے چند اہم نمونے یہاں پر ذکر کئے جارہے ہیں:

ا۔ عبد اللہ ابن حسن کا بیان ہے کہ امام علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام ہر شب عشاء کی نماز کے بعد عروہ بن زبیر کے ساتھ مسجد کے آخری حصہ میں بیٹھتے تھے میں بھی ان دونوں کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا۔ ایک رات ان دونوں نے اپنی گفتگو میں بنی امیہ اور ان کے

افراد کے مظالم کا تذکرہ کیا اور ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی مشکلات کا تذکرہ ہوا۔ عروہ نے بھی علی ابن الحسین علیہما السلام سے کہا کہ جو ظلم و جور کرنے والوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے خداوند عالم بنی امیہ سے اس کی ناراضگی کو جانتا ہے لہٰذا اگر ایسا شخص ان سے ایک میل کے فاصلہ پر ہو اور خدا ان پر عذاب نازل کرے تو امید ہے کہ وہ شخص عذاب سے بچ جائے۔ عبد اللہ ابن حسن کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے عروہ مدینہ سے جا کر عقیق نامی سرزمین پر بس گیا اور پھر وہاں سے نکل کر سویقہ نامی جگہ پر رہنے لگا۔[1]

لیکن امام علیہ السلام مدینہ سے کہیں نہیں گئے اور پوری زندگی مدینہ میں مقیم رہے اس لئے کہ آپ اس طرح سے چلے جانے کو سیاسی معرکہ سے فرار سمجھتے تھے اور اس طرح ظالمین کیلئے سماجی اور اجتماعی میدان کو خالی کرنا تصور کرتے تھے کہ اس طرح سے ظالم و جابر اموی حکمران امت اسلامی کے جملہ سیاسی، سماجی، اجتماعی میدانوں کے تن و تنہا یکہ تاز ہو جاتے اور اس میں جس طرح چاہتے من مانی چوکڑی بھرتے۔[2]

شاید عروہ جو دشمنان اہلبیتؑ میں سے تھا اس کے ذریعہ میدان چھوڑ کر کنارہ کش ہو جانے کی پیش کش اس کی یا اس وقت کے حکام کی سیاسی چال تھی۔[3] تاکہ امام علیہ السلام کو ہر طرح کے سیاسی اور اجتماعی مسائل سے الگ رکھا جا سکے لیکن امامؑ نے ان مسائل سے علیحدگی اختیار نہیں کی اور مدینہ چھوڑ کر کہیں نہیں گئے بلکہ برابر اپنی مجاہدانہ روش پر عمل پیرا رہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: عقل پر حماقت، نیکیوں پر برائیوں، خیر پر شر، علم و دانائی پر جہالت، نرمی اور رحمدلی پر سختی اور شدت، زرخیزی پر قحط و خشکسالی، دنیا سے کنارہ کشی پر دنیا طلبی، شریف و پاکیزہ خاندانوں پر نجس و ناپاک خاندان، ہری بھری زمینوں پر بنجر اور شورہ زار زمینوں نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ لہٰذا حکومت اور اس کی ان بندشوں سے خدا کی پناہ مانگو جنہوں نے ایک درد بھری زندگی کی صورت میں تمہارے وجود پر غالب حاصل کر لیا ہے۔[4]

اس روایت کا دلچسپ پہلو دشمن کے تسلط اور قبضہ کو بیان کرنے کے سلسلہ میں لفظ دولت کا استعمال ہے جس کے معنی حکومت کے ہوتے ہیں زبردستی قبضہ اور کسی کی زندگی پر حاوی ہو کر بندشیں پیدا کر نا مسند خلافت پر قابض اس وقت کی حکومتوں میں ایک اہم عنصر تھا۔ امام علیہ السلام نے اس روایت میں حکومت کی نااہلی اور نالائقی کو کائنات کی بعض دوسری طبیعی موجودات کے تذکرہ کی صورتمیں بیان کیا ہے۔ جس کی اصلاح کے لئے آپ ہر وقت فکرمند رہتے تھے۔ ذرا سوچیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانے میں جس شریف اور پاکیزہ

---

[1]. مختصر تاریخ دمشق، ج/۱۷، ص/۲۱

[2]. جہاد الامام السجادؑ، ص/۱۵۴

[3]. تنقیح المقال، ج/۲، ص/۲۵۱

[4]. تاریخ دمشق: ج۴۱، ص۴۱۰، مختصر ابن منظور: ج ۱۷، ص ۲۵۵۔

خاندان سے دشمنی کر کے اسے طرح طرح کے مظالم کانشانہ بنایا جارہا تھا وہ کون ساخاندان تھا؟ کیا ایسے حاکم کی حکومت سے خدا کی پناہ مانگنا اس حکومت کی نااہلی اور نالائقی کو ثابت کرنے اور اس کی مذمت کرنے کے علاوہ اور کچھ ہے ؟! کیا امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں اس گھٹن کے ماحول میں امامؑ کے موجودہ فعال سیاسی کردار سے زیادہ مضبوط کوئی اور قدم اٹھایا جاسکتا تھا؟ اور کیا اس کا تصور بھی ممکن تھا کہ اسلامی تحریک کی قیادت کے لئے امامؑ کے منظم منصوبہ بند طریقہ کار کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہو؟ جو بظاہر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہو لیکن ہر طرح کے سیاسی میدان میں اس کے کارمانے واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہوں۔

فتنہ و فساد کے خلاف جہاد

اصلاح کی کوششیں کرنے والے کسی بھی مصلح خصوصاً خداوند عالم کی طرف سے منتخب کئے گئے مصلح کیلئے سب سے زیادہ اہم کردار اور سب سے زیادہ ضروری عمل سماج میں رائج فتنہ و فساد کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سلسلہ میں بھی انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو متعدد سماجی اور معاشرتی مسائل و مشکلات کا سامنا تھا ممکن ہے کسی اور زمانہ میں بھی اسی طرح کی مشکلات درپیش رہی ہوں لیکن اس زمانہ میں یہ مصائب و مشکلات کچھ زیادہ ہی نمایاں طور پر لوگوں کی زندگی پر اثر انداز تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے خاص طریقہ کار سے ان مصائب و مشکلات کا علاج فرمایا اور آپ کے ذریعہ سماج کے مصائب و مشکلات کے خلاف جہاد کا طریقہ آپ کی ہی ذات سے مخصوص ہے ان تمام مصیبتوں اور مشکلات میں سب سے اہم مشکل عام طور پر فقیری، مسکینی اور غلاموں اور کنیزوں کی کثرت نیز ان کی روز بروز بڑھتی تعداد تھی۔ ان دونوں مشکلات کے حل کے سلسلے میں امامؑ کی کوششوں کا تفصیلی ذکر است مقالہ کی وسعت سے باہر ہے کیا۔

***

امام کاظم علیہ السلام کاہارون رشید سے مناظرہ

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

ہارون رشید عباسی خلفاء میں سے ایک سخت اور سنگدل خلیفہ تھااس کے درمیان اور امام کاظم علیہ السلام کے درمیان ہونے والے مناظرہ کو ہم بیان کر رہے ہیں

ایک بار آپؑ ہارون کے دربار میں داخل ہوئے تو اس نے بغیر کسی مقدمہ کے امام سے پوچھا کیا ممکن ہے ایک ملک میں دو خلیفہ حکومت کریں اس حال میں کہ دونوں کے لئے خراج بھیجا جائے

امام علیہ السلام نے فرمایا جس دن رسول خدا نے رحلت فرمائی اس دن ہم پر تہمتیں باندھی گئی جن میں سے ایک یہ ہے چونکہ ہارون جانتا تھا کہ امام اپنے عقیدہ کے برخلاف کوئی بات نہیں کرتے اس لئے راحت کی سانس لی۔

پھر اس کے بعد امام اور ہارون کے درمیان یہ دلچسپ مناظرہ ہوا۔

ہارون: ہم رسول خدا کے چچا (عباس) کی اولاد ہیں اور تم ابوطالبؑ کی اولاد ہو کہ وہ بھی رسول خدا کے چچا تھے. لہذا ہم سب رسول خدا کے چچازاد فرزند ہیں لہذا ایک دوسرے پر برتری نہیں رکھتے۔

امام علیہ السلام جو تم نے کہا وہ ٹھیک ہے مگر ایک فرق کے ساتھ اور وہ یہ کہ رسول خدا کے پدر (گرامی) عبد اللہ اور (ان کے بھائی) ابو طالب دونوں ایک ماں سے ہیں اس بنا پر ابوطالبؑ کی اولاد عباسؓ کی اولاد کی نسبت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نزدیک ہے۔

ہارون نے کہا: (میت کے) چچا کے (زندہ) ہوتے ہوئے اس کی اولاد کو میراث نہیں ملتی رسول خدا کی رحلت ہوئی تو ان کے چچا عباسؓ موجود تھے لہذا ان کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگ یعنی فاطمہؑ اور علیؑ پیامبر کے وارث نہیں ہوسکتے۔

امام علیہ السلام: چچا کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا میراث سے محروم ہونا قران اور سنت کے برخلاف ہے اور یہ ایسی بدعت ہے جو ''عدی'' اور ''تیم'' سے شروع ہوئی اور امویوں نے بھی اس کو سپورٹ کیا لیکن ہمارے دادا (علیؑ) نے اس بدعت کی مخالفت کی اور یہ مطلب بہت واضح ہے اور معروف ہے ابھی بھی اسلامی ملک میں وہ افراد ہیں کہ علیؑ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

ہارون نے کہا: وہ کون ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نوح بن دراج جو بصرہ اور کوفہ کے کورٹ کا سربراہ ہے البتہ کچھ افراد جیسے سفیان ثوری، ابراہیم مدنی اور فضیل بن عیاض نے اس کی مخالفت کی ہے۔

ہارون نے دونوں گروہ کے احضار کا حکم دیا ان کے آنے کے بعد ہارون نے نوح بن دراج کی طرف رخ کر کے کہا تم نے مشہور کی رای سے کیوں برگشت کی۔

نوح بن دراج نے جواب دیا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی اس قول کی وجہ سے جو انھوں نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا "اقضاکم علی" قضاوت میں تمہارے درمیان سب سے زیادہ علی داناواہل علم ہیں اسی طرح عمر کے اس قول کی بناپر "اقضانا علی" علی قضاوت میں ہم سب سے داناہیں۔

ہارون سوچ میں پڑ گیا کیوں کہ اس کے پاس امام کاظمؑ کی اس قوی اور منطقی دلیل کے آگے کہنے کو کچھ باقی نہ رہ گیا تھا اس کے بعد اس نے حاضرین کو مرخص کر دیا اور امام کی طرف رخ کر کے کہا اگر ہماری وراثت کے بارے میں کچھ اور بات رہ گئی ہو تو بیان کریں۔

امام علیہ السلام نے کہا اگر تم وعدہ کرو کہ جو اس بزم میں کہا جائے گا کہیں بیان نہ ہو گا تو میں اس بارے میں عرض کروں کیونکہ ابھی میرے پاس اور بھی باتیں ہیں۔

ہارون نے سر کے اشارہ سے موافقت کی

امام علیہ االسلام نے فرمایا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولایت اس کا حق جانا ہے جو فتح مکہ سے قبل مہاجرت کرے یہ آیہ مبارکہ اس کی شاہد ہے والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجرو[1] جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی ان کی تمہارے اوپر کوئی ولایت نہیں ہے جبتک ہجرت نہ کریں.

(اور یہ بات تمہیں معلوم ہے) ہمارے چچا عباسؓ نے فتح مکہ تک ہجرت نہیں کی بلکہ اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

ہارون نے کہا: اس مطلب کو آپ نے ابھی تک کسی سے بیان کیا ہے؟

امام نے جواب دیا: نہیں!

ہارون نے کہا: (اچھا یہ بتاو) تم لوگ کیوں اپنے کو رسول خدا کی اولاد کہتے ہو حالانکہ تم علی کی اولاد ہو؟

---

[1] سورہ انفال ۷۲

امام نے جواب دیا: (یہ بتاو) اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہو کر تمہارے بیٹی سے شادی کا تقاضہ کریں تو ان کی بات کو مانو گے ؟

ہارون نے کہا: ضرور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کیا افتخار ہو سکتا ہے ؟!

امام نے کہا: لیکن اگر (بر فرض محال) وہ میری بیٹی کی نسبت مجھ سے تقاضہ کریں میں قبول نہ کروں گا۔

ہارون: کیوں ؟!!!

امام نے کہا: کیوں کہ میری بیٹیاں ان کی اولاد ہیں کیوں کہ وہ باپ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہیں اس لئے کہ قرآن کریم نے عیسیٰ ؑبن مریم کو جناب ابراہیم ؑ کی ذریت میں شمار کیا ہے حالانکہ وہ ماں کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام سے ملحق ہیں قرآن کریم حضرت ابراہیم ؑ کی نسل کے بارے میں فرماتا ہے

وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ۔ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ [1]

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہدایت کی اور نوح کو (بھی) اس سے قبل ہدایت کی اور ان کی اولاد داود ،سلیمان، ایوب، یوسف، موسی اور ہارون کو (ہدایت کی) ہم اس طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحیی، عیسی اور الیاس (کہ جو اس کی نسل سے ہیں ہدایت کی) یہ سب شائستہ افراد تھے

اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اکرم مباہلہ میں مامور تھے کہ مسیحان نجران سے کہیں "تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم" ہم دونوں اپنے بچوں کے ساتھ مباہلہ کریں لہذا اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اولاد کی جگہ "حسنین ؑ" کے سوا کسی کو مباہلہ میں نہیں لائے کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں یہ حضرات ان کے بیٹے تھے [2]

❊ ❊ ❊

---

[1] ۔ انعام۔ ۸۴۔ ۸۵

[2] ۔ توحید صدوق جلد ۱ باب ۷ حدیث ۹ اور تحف العقول، ص ۴۰۴ اور احتجاج جلد ۲ ص ۳۴۰۔ ۳۳۵

نوحہ بمناسبت شہادت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(علامہ ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی)

روضہ پہ مصطفیٰ کے تھا فاطمہ کا نوحہ
بابا تمہاری بیٹی اب رہ گئی ہے تنہا

آتا نہیں ہے در پہ کوئی سلام کرنے
دشمن ہوا زمانہ بدلی ہوئی ہے دنیا

کیا جانے ہوگی حالت اب کیا تمہارے گھر کی
جب دو دنوں میں بدلا دنیا کا ایسا نقشہ

اُمت ہمارے در پر اس شان سے ہے آئی
دروازہ کو جلا کر ہم کو دیا ہے پرسہ

ان لوگوں نے کیا ہے پہلو مرا شکستہ
پہلو میں بیٹھے تھے جو کل تمہارے بابا

بیعت کے طالبوں نے باندھی رسن گلے میں
قیدی اسے بنایا جس کو کہا تھا مولا

قیدی تھا میرا وارث ٹوٹا تھا میرا پہلو
پھر بھی اٹھایا میں نے محسن کا اپنے لاشہ

حسنین رو رہے ہیں نانا کو یاد کر کے
زینب تڑپ رہی ہے اب کون ہے سہارا

ان بچوں کی حالت کیوں کر نہ غیر ہوتی
جو بچپنے میں دیکھیں دروازہ اپنا جلتا

بابا تمہارے غم میں سب بچے رو رہے ہیں
کس کس کو دوں تسلّی، کس کس کو دوں دلاسہ

یہ بار غم اٹھایا کس دور میں زمیں نے
کب انقلاب ایسا اس آسماں نے دیکھا

بابا تمہارے غم میں روتی وہ قوم کیسے
جس قوم نے تمہاری اولاد کو رلایا

زہرا کے بین سن کر جن و ملک تھے گریاں
روضہ پہ مصطفیٰ کے اک حشر سا تھا برپا

صُبّت علی جس دم کہتی تھی بنت احمد
گیتی کو زلزلہ تھا تھرّا رہا تھا روضہ

آواز آ رہی تھی یہ قبر مصطفیٰ سے
بابا کو مت رلاؤ یوں رو کے میری زہرا

امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کی سیاسی مشابہات

بن حیدر

انسان جب تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے اور امام حسن و امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی کو پڑھتا ہے تو اس کے ذہن میں سوال آتا ہے کہ آخر ایک امام نے صلح کیوں کی اور دوسرے امام نے قیام کیوں کیا؟

امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی سیاسی سیرت پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو کچھ امتیازات اور مشابہات دکھائی دیں گی۔ لیکن امتیازات کا مطلب نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور ان کے نظریات ایک دوسرے سے فرق کرتے ہیں نہیں بلکہ زمانہ اور مکان کی شرائط کے اعتبار فرق وجود میں آیا اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں اگر امام حسین امام حسن علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو صلح کرتے اور اگر امام حسن امام حسین علیہ السلام کی جگہ ہوتے قیام فرماتے اس بات کو پیغمبر اکرم کے اس فرمان سے درک کیا جاسکتا ہے

«ابنای ھذان امامان قاما او قعدا» میرے یہ دو بیٹے حسن اور حسین دونوں امام ہیں چاہے قیام کریں یا سکوت اختیار کریں۔

اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہر کام جو امام حسن یا امام حسین علیہ السلام نے انجام دیا ہے مسلمانوں کی صلاح کے لیے انجام دیا ہے اب چاہے مسلمان اس کام کے فلسفے اور حکمت کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

امام حسن علیہ السلام کے زمانہ کا تقاضا صلح تھا اس لئے آپؑ نے صلح کی اور امام حسین علیہ السلام کے وقت کا تقاضا قیام تھا اس لئے قیام کیا

لیکن ہم اس مقالہ میں امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کے کچھ سیاسی مشابہات بیان کریں گے۔

پیغمبر اکرم کے زمانے میں ان حضرات کے کم سن ہونے کی وجہ سے کوئی خاص سیاسی یا سماجی امور دکھائی نہیں دیتے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنین علیہما السلام کا اپنے ساتھ مباہلہ میں لے کر جانا اس بات کو سمجھاتا ہے کہ امام حسن اور امام حسین بچپن ہی سے اسلام کی بزرگ شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔

۱۔ خلیفہ وقت کے سامنے گواہی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب حکومت وقت نے باغ فدک کو غصب کر لیا اور یہ خبر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو پہنچی تو بی بی علیہا السلام نے ابو بکر پر اعتراض کیا اور یہ کہا کہ میرے بابا نے مجھ کو ہبہ کیا تھا ابو بکر نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے شاہد اور گواہ طلب کئے تو آپ نے امیر کائنات امام علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور ام ایمنؓ کو گواہی کے لئے پیش کیا انھوں نے گواہی

دی کہ یہ باغ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کا ہے لیکن پھر بھی ابو بکر نے ان حضرات کی گواہی کو قبول نہیں کیا اور جناب زہرا کو ان کے حق سے محروم کر دیا۔

۲۔ جناب ابوذرؓ کو رخصت کرنے کے لئے حاضر ہونا

خلیفہ سوم عثمان کے زمانے میں جناب ابوذرؓ حکومت کے سیاسی کاموں سے ناراض تھے اس پر اعتراض کرتے تھے اور اپنے وظیفہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے مطابق حاکم وقت کے نقائص کی طرف نشاندہی کرتے تھے لیکن خلیفہ سوم کو ان کے یہ اعتراضات گوارا نہ تھے جس کی بنا پر ابوذرؓ کو شام بدر کر دیا گیا مگر وہاں بھی ابوذرؓ نے حق بیانی سے ہاتھ نہ اٹھایا ان کو پھر مدینہ واپس بھیجدیا گیا اس بار ان کو ربذہ جلاوطن کرنے کا فیصلہ سنایا گیا اور یہ اعلان کیا کہ ابوذر کو چھوڑنے کے لئے کوئی نہیں جائے گا لیکن امام علی علیہ السلام، بعض بنی ہاشم، امام کے کچھ انصار اور امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام چھوڑنے کے لئے گئے، امام حسن علیہ السلام نے ابوذرؓ سے کہا چچا جان آپ جا رہے ہیں یہ ایک بڑا افسوس ہے ان لوگوں نے آپ کے ساتھ وہ کیا ہے جو آپ خود دیکھ رہے ہیں لیکن آپ اس دن کو یاد کیجئے جس دن انسان کو دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طرف چلا جاتا ہے، سختیوں اور دشواریوں کو آنے والے اچھے دنوں کی امید میں بھلا دیں صبر اور شکیبائی اختیار کریں تا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں ملاقات کریں کہ آپ سے راضی ہوں....

۳۔ خلیفہ سوم کے بچاو کے لئے حاضر ہونا

جب لوگ عثمان پر معترض تھے اور عثمان کے گھر کو گھیر لیا تھا تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ امیر مومنان علیؑ کے حکم سے عثمان کے دفاع کے لئے گئے لوگوں نے عثمان کے گھر کی طرف پتھر بازی شروع کر دی جس کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام زخمی ہو گئے اور ان کے منہ پر خون جاری ہوا۔ لیکن معترضین نے گھر کی دیوار کے اوپر وارد ہو کر عثمان کو قتل کر ڈالا۔

۴۔ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شرکت

دونوں بھائیوں نے جنگ جمل میں اپنے بابا اور امام حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے اہم ترین امور کو انجام دیا امام حسنؑ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے عمار یاسرؓ اور کچھ لوگوں کے ساتھ کوفہ میں وارد ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی، اس کے باوجود کہ ابو موسی اشعری اور اس کے طرفدار لوگوں کو جنگ سے روک رہے تھے امام حسن علیہ السلام نے نو ہزار سے بھی زیادہ لوگ جمع کئے اس کے علاوہ پہلی صف میں حاضر ہو کر جنگ کرتے تھے اور قلب لشکر پر حملہ آور ہوتے تھے۔

امام مجتبی علیہ السلام نے جنگ صفین میں بہت سے لوگوں کو جمع کیا اور اپنی پر شور تقریر کے ذریعہ کوفہ کے لوگوں کو اسلام کے دشمنوں سے جہاد کی دعوت دی۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اتنی جانفشانی کی کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے انصار سے یہ درخواست کی کہ حسنؑ

اور حسینؑ کو جنگ کرنے سے روکیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے شہید ہونے سے پیغمبر ﷺ کی نسل منقطع ہو جائے۔ جنگ صفین اور نہروان میں بھی آپ حضرات کا نمایاں کردار رہا۔

۵۔ معاویہ سے جنگ و صلح

امام حسین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کی امامت کے زمانہ میں چاہے وہ جنگ کی حالت ہو یا صلح کی حالت میں دونوں موقع پر کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کے مشاور، فرمانبر دار اور یار و مددگار، فداکار اور وفادار سپاہی، بن کر رہے۔

جب امام حسنؑ جہاد کے لئے نکلے تھے امام حسینؑ اپنے بھائی کے ساتھ لشکر ہمراہ کوفے سے سپاہ شام سے جنگ کے لئے نکلے آپؑ امام حسن علیہ السلام کی اطاعت کو خود پر واجب اور لازم جانتے تھے، آپ نے لشکر کو جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اسی طرح صلح کے بعد جب امام حسن علیہ السلام کوفے سے مدینے کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ رہے اور امام حسن علیہ السلام کی سیاست پر اعتراض کرنے والوں کو جواب دیا اور اس کی وجوہات کو بتایا۔

صلح امام حسن کی بعض وجوہات

ایک طرف امام حسن علیہ السلام کے لشکر میں مخلص افراد نہ تھے، دوسری طرف سے امام مجتبی علیہ السلام کے لشکر میں مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے تھے اور ان میں اتحاد اور اتفاق نہیں تھا اس کے علاوہ لوگ جنگ سے تھک گئے تھے اور عیش پسند ہو گئے تھے امام حسن مجتبی علیہ الصلوۃ والسلام خود اس بارے میں فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے حکومت کو معاویہ کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس لئے صلح کی کہ میں نے یاور و انصار نہیں پائے اگر میرے پاس یاور مددگار ہوتے تو میں شب و روز معاویہ کے ساتھ جنگ کرتا لیکن میں نے کوفہ کے لوگوں کو آزمایا اس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کے فاسد لوگوں کی اصلاح نہیں ہو گی اور ان میں وفا چیز کی کوئی نام نہیں ہے ان کے وعدوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا یہ لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں، کئی طرح کے ہیں، یہ لوگ زبان سے کہتے ہیں ہم دل سے آپ کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف تلواریں اٹھائیں اور ہم کو قتل کرنے کے لیے تیار ہوئے۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ مجھے اس کا خوف تھا کہ کہیں مسلمان دنیا سے نہ مٹ جائیں میں نے اسلام کی حفاظت کے لیے صلح کی اسی طرح میں نے اپنے شیعوں کے حفظ کے لئے صلح کی اور جنگ کو دوسرے دن کے لئے چھوڑ دیا۔

امام حسن علیہ السلام دوسری حدیث میں اپنی صلح کو صلح حدیبیہ سے تشبیہ دیتے ہیں اور دوسروں کے اعتراضات کو جناب موسی علیہ السلام کے اعتراض جیسا بتاتے ہیں جیسا کہ جناب موسیٰؑ جناب خضر کے کاموں کی حکمت سے آگاہ نہیں تھے اور ان پر اعتراض کر رہے تھے۔

اس زمانہ میں جنگ کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ مد مقابل بہت فریب کار اور دھوکہ باز انسان تھا اگر امام حسن علیہ السلام جنگ جاری رکھتے تو ان کا خون ھدر جاتا اور لوگوں میں بیداری نہ آتی بلکہ ممکن تھا اصل اسلام دنیا میں ختم ہو جائے اس کے علاوہ ملک روم منتظر تھا کہ مسلمانوں میں جنگ ہو تا کہ مسلمانوں پر حملہ کر سکیں اور اسلام کو نیست و نابود کر سکے یہ تمام خطرات تھے جس کی بنا پر امام حسن صلح کی اور جنگ سے ہاتھ روک لیا اور صبر سے کام لیا۔

لیکن امام حسین علیہ السلام کا زمانہ اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ قیام کیا جائے اور آپؑ قیام نہ کرتے تو اسلام ہی دنیا سے ختم ہو جاتا۔

نتیجہ یہ کہ دونوں امام عصمت کے حامل تھے دونوں خدا کے حکم کے مطابق چلتے تھے اگر خود امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو صلح کرتے اور سن ۶۱ میں امام حسنؑ امام حسینؑ کی جگہ ہوتے تو جنگ کرتے۔

یہ امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کی سیاسی سیرت کی چند شباہتیں تھیں جن کو آپ کی خدمت میں بیان کیا گیا۔

اس موضوع پر ایک لمبی گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن اس مقالہ کے اختصار کی وجہ سے اپنے مقالہ کو یہاں ختم کر رہے ہیں۔

شہادت ایک ابدی سعادت!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

شہید، اس پاکیزہ روح کا مالک ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لیے اپنے آپ کو قربان کیا۔ شہادت ایک ایسا اعزاز ہے جو صرف وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شہید کو بے شمار اعزازات سے نوازا ہے۔ قرآن پاک میں اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ شہید کبھی نہیں مرتا، بلکہ وہ تا ابد زندہ رہتا ہے وہ اپنے پروردگار کا مقرب ہے، اسے اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے، وہ جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔۔۔

علامہ غلام حسنین کنتوری اعلی اللہ مقامہ

رضی حیدر پھندیڑوی

علماء ہمیشہ اپنی رفتار، گفتار اور عمل سے لوگوں کی ہدایت کرتے رہتے ہیں تاکہ معاشرے کو اچھا بنا سکیں۔ علماء جہاں روحانی ضروریات کو کو فراہم کرنے میں کوشاں رہتے ہیں وہیں انسانی زندگی میں پیش آنے والی ضروریات جیسے (معیشت، طبابت و حکمت وغیرہ) مسائل کی طرف بھی اپنی گفتار اور عمل سے راہنمائی فرماتے رہتے ہیں البتہ عصر حاضر میں معیشت و حکمت جیسے علوم سے خود بھی کم آشنا ہیں اور دوسروں کو بھی آگاہ نہیں کر پاتے۔ انہیں تمام باتوں کو لحاظ کرتے ہوئے ہم اس مختصر تحریر میں علامہ کنتوری کی زندگی پر روشنی ڈالنے کوشش کر رہے ہیں تاکہ صنف روحانیت اور عوام الناس درس و عبرت لیں سکیں۔

علامہ سید غلام حسنین خلف سید محمد بخش موسوی کنتوری، ملقب "علامہ کنتوری" بہت سے علوم میں ماہر تھے، موصوف کنتور کے رہنے والے تھے اسی لئے علامہ کنتوری کے نام سے معروف ہیں۔ علامہ سید غلام حسنین کنتوری ۱۷/ربیع الاوّل سنہ ۱۲۴۷ ہجری میں سرزمین کنتور پر پیدا ہوئے۔

علامہ کنتوری نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پڑھنا سیکھا، سنہ ۱۲۵۴ ہجری میں لکھنو کا رخ کیا اور مدرسہ شاہی میں ابتدائی کتابیں پڑھیں، علامہ کنتوری کی شادی مفتی محمد قلی خاں کی دختر سے ہوئی۔ جب لکھنو سے دل اچٹ گیا تو اس شہر کو ترک کر کے اپنے وطن واپس آگئے۔ وطن میں علم موسیقی کی جانب رغبت پیدا ہوئی اور اس علم میں اتنی زیادہ مہارت حاصل کی کہ فن موسیقی کے اساتذہ بھی ان کے سامنے خود کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

جب آپ اٹھارہ سال کے ہوئے تو لکھنو پہنچے، ممتاز العلماء نے آخری کلاس کے شہریہ کے برابر ان کا شہریہ معین کیا۔ سلطان العلماء سید محمد، علامۃ الفقہا سید احمد علی محمد آبادی، علامہ ابوالحسن میرن، سید العلماء سید حسین علیین مکان، اور ممتاز العلماء سید محمد تقی، علامہ کنتوری کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اس کے علاوہ آیت اللہ سید حسین علیین مکان نے آپ کو اجازہ اجتہاد عطا کیا۔

علامہ کنتوری نے بہت سے شاگردوں کی تربیت فرمائی جن میں سے: مولوی تصدق حسین (پسر)، مولوی محمد علی (پسر)، فخر العلماء، شریف العلماء حکیم مہدی علی، مولوی سید آغا علی، مولوی محمد امین، مولوی حبیب حسین، ملا طاہر نحوی، وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ علامہ غلام حسنین کنتوری آیت اللہ سید حسین علیین مکان سے اجازہ حاصل کرنے کے بعد مدرسہ سلطانیہ کے داروغہ قرار پائے، سنہ ۱۸۶۱ عیسوی میں لکھنو چوک میں ثبت احوال کے رئیس قرار پائے، آپ نے اپنی ذمہ داری کچھ اس طرح نبھائی کہ انعام بھی حاصل کیا۔

علامہ سنہ ۱۸۶۲عیسوی میں فالج جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوگئے، جب آپ سوئے تو خواب کے عالم میں دیکھا کہ دو عیسائی خواتین اپنے ہاتھوں میں انجیل لئے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ اگر آپ عیسائی ہو جائیں تو ہم ابھی شفا دے سکتے ہیں! یہ جملہ سننے کے بعد علامہ کو اس قدر غصہ آیا کہ تمام بدن لرز اٹھا، پورے جسم پر پسینہ آگیا اور جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ فالج کا اثر ختم ہو چکا ہے[1]۔

آپ علم مسمریزم میں ماہر تھے اور اس کے ذریعہ اکثر مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے، موصوف نے تنگ دستی میں رہنے کے باوجود کبھی نماز جماعت کی اجرت وصول نہیں کی، اسی زمانہ میں "حکیم ہاشم علیخان - نواب موہان" کے بچوں کی تدریس پر مامور ہوئے، آپ کی ذہانت کمال کے اس درجہ پر تھی کہ خراب گھڑی کو خود ہی درست کر لیا کرتے تھے، جب آپ نے آگرہ اسکول کے پرنسپل کی خواہش کے مطابق ان سے ملاقات کی تو پرنسپل نے آپ کا بہت زیادہ اکرام واحترام کیا۔

علامہ علم جفر میں ماہر تھے لیکن سنہ ۱۲۸۴ہجری میں اس کو ترک کر دیا تھا، تقریباً سن ۱۲۸۹ہجری میں علامہ ابوالحسن (ابّو) نے لکھنؤ میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں ممتاز العلماء کے مشورہ سے، علامہ کنتوری کو اپنا معاون بنالیا یہ مدرسہ پہلے تو ممتاز العلماء کے امامبارگاہ میں جاری ہوا لیکن موصوف کی کوششوں سے اتنی ترقی پائی کہ آیت اللہ سید احمد علی محمد آبادی نے ان کے حسن عمل کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی بہترین کوششوں کا ہم سب کو شکریہ ادا کرنا چاہئے، انہوں نے قوتِ شیعہ کو آشکار کیا ہے۔

جب علامہ نے مدرسہ کو ترک کیا تو مدرسہ تنزلی کا شکار ہونے لگا لہٰذا بعض افاضل کی گزارش پر دوبارہ مدرسہ کو سنبھالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے اخبار الاخیار، گھڑی صحیح کرنے کی دکان اور صابن کا کارخانہ بھی بنایا، یہ سب کام موصوف نے اپنی جیب سے شروع کئے، علامہ نے تفسیر ممتاز العلماء بھی شائع کرائی؛ آپ نے مدرسہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ جودھ پور، بھرتپور، آگرہ، گوالیئر، کشمیر، میرٹھ اور مظفر نگر وغیرہ میں مطب کھول کر طب وہدایت کے چشمے جاری کئے۔ آپ کو علم کیمیا میں بھی مہارت حاصل تھی، اسی لئے آپ نے سونا چاندی بھی بنایا۔

علامہ نے امام حسینؑ کی عزاداری کے لئے خاص اہتمام کیا، ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۹۴عیسوی میں بیہڑہ سادات ضلع مظفر نگر میں شیعہ سنی کے درمیان جو مناظرہ ہوا اس کا اہتمام انہی کی زیر نگرانی انجام پایا جو آپ نے بنحو احسن انجام دیا۔ علامہ نے سنہ ۱۸۹۵عیسوی میں ندوۃ العلماء کے جلسہ میں شرکت کی، اہل سنت موصوف کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے؛ آپ نے دستار بندی کے عنوان سے بہترین تقریر کی۔

علامہ کنتوری نے ککرولی ضلع مظفر نگر میں نیل اور پنیر کے کارخانے بنائے لیکن فائدہ نہ ہو سکا، موصوف لکھنؤ میں مجتہد کے عنوان سے معروف ہوئے؛ انجمن جعفریہ مظفر نگر کا پہلا جلسہ جو سنہ ۱۳۲۴ہجری میں منعقد ہوا تو اس میں موصوف شریک تھے۔

علامہ کنتوری کا ظاہری حلیہ عالمانہ نہیں تھا، موصوف کے سر پر گھنے بال، گردن میں انگوچھا ڈالے ہوئے، لمبے والے جوتے (تسمے)، سردی کے موسم میں کشمیری گرم پائجامہ پہنتے تھے۔

---

[1]. مطلع انوار، مرتضیٰ حسین، ص۳۸۷- تذکرہ بے بہا، محمد حسین، ج۱، ص۲۸۰۔

علامہ غلام حسنین کنتوری نے اپنی تمام مصروفیات کے باوجود علمی سرمایہ تشنگان علوم کے لئے چھوڑا جن میں: حواشی مغنی اللبیب، حواشی شرح کبیر، تفسیر آیت "اینما تولّوا فثمّ وجہ اللہ"، ایک عیسائی عالم نے اعتراض کیا تھا تو سلطان العلماء نے علامہ کنتوری کو اس عیسائی عالم کے جواب دینے پر مامور کیا؛ آپ نے ایسا رسالہ لکھا کہ سلطان العلماء نے اس رسالہ کے بعد اجازہ اجتہاد عطا فرمادیا، رسالہ اَشکال و ضو ۲۰۷ تصاویر پر مشتمل، رسالہ تغنّی فی القرآن، شرح اعجاز خسروی منشی نولکشور کی گزارش پر تحریر کی، یہ کتاب دیکھنے کے بعد علامہ سید اعجاز حسین نے فرمایا کہ خداوند عالم تمہیں حاسدوں کی نظروں سے محفوظ رکھے۔ ترجمہ رسالہ اکسیر ابیض، ترجمہ رسالہ اکسیر احمر، و ترجمہ اخبار تہذیب الاخلاق، السوانح، شواہد اردو، رسالہ نور العینین فی شرح حدیث الابطال المرویہ بالعین، شرح زیارت ناحیہ مقدسہ واجد علیشاہ سلطان اودھ کی فرمائش پر نواب الدولہ بہادر کے وسیلہ سے۔ جب قائمۃ الدین "علامہ مرزا محمد علی کلکتوی" نے یہ رسالہ دیکھا تو فرمایا اس کی مانند دقیق اور حقائق پر مبنی مودہ میری نظروں سے آج تک نہیں گزرا۔ ترجمہ تلخص جالینوس (فارسی)، تنبیہ در حال ازواج رسول در ردّ نصاریٰ و آریائی، مائتین در مقتل حسین (متعدّد جلدیں)، اقصاء الاسلام (۳ جلد)، جوابات غیر مسلمین، ترجمہ الفین بہ نام "الفیہ"، مفارقات حسینیہ و عثمانیہ، ذوالجناحیہ حسنیہ، حسینیہ قرآنیہ، ترجمہ معراجیہ قرآنیہ، ترجمہ قانون شیخ بوعلی سینا، ذوالفقار، کامل الصناعۃ تھافۃ الفلاسفہ، یہ کتاب کئی سال تک شائع ہوئی، موصوف کے اکثر مضامین مجلہ اصلاح، شیعہ، کھجوہ، اخبار امامیہ لکھنو، اثنا عشری دہلی اور سرمہ روزگار آگرہ وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ علامہ شیخ محمد محسن آقابزرگ تہرانی نے تین کتابوں کا اور تذکرہ کیا ہے جو "انسانی قربانی، تقدیس القرآن اور مذہبی معلومات" کے ناموں سے موسوم ہیں[1]۔

علامہ موصوف عالم ضعیفی میں قلم کے اعتبار سے جوانوں سے بھی آگے تھے آپ کی ایک خاصیت یہ تھی کہ ایک معمولی سے طالب علم کو بھی اپنا قوتِ بازو سمجھتے تھے۔ اپنے بہت سے رسائل کو شائع کر کے مفت بھی تقسیم کر دیتے تھے۔ علامہ کنتوری کو خداوند عالم نے دو بیٹے عنایت فرمائے، دونوں علم دین کی وادی کے راہی بنے جو: "مولوی تصدّق حسین" اور "مولوی محمد علی" کے ناموں سے موسوم ہوئے۔

آخر کار یہ علم و فن کا آفتاب ۱۳/ربیع الاوّل سنہ ۱۳۳۷ ہجری میں فیض آباد کے افق پر غروب ہوگیا، جنازہ فیض آباد سے کنتور لایا گیا، اور نماز میت کی ادائیگی کے بعد سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ پالنے والے ہمیں علامہ کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرما آمین والحمد للہ رب العالمین۔

***

[1] نقباء البشر فی القرن الرابع عشر، آقابزرگ تہرانی، ج ۴، ص ۱۶۴۸-اعیان الشیعۃ، محسن امین، ج ۸، ص ۳۸۵-مطلع انوار، مرتضیٰ حسین، ص ۳۸۷-تذکرہ بے بہا، محمد حسین، ج ۱، ص ۲۸۱۔

شہید جمہور سید ابراہیم رئیسیؒ رہبر معظم انقلاب اسلامی کی نظر میں

ڈاکٹر سید سرور عباس نقوی قمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا[1] «مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے وعدہ کو سچ کر دکھایا ہے اُن میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور اُن لوگوں نے اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی ہے»

صاحب تفسیر کوثر لکھتے ہیں کہ آیہ کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ مومنین جو استقامت والے ہیں جنھوں نے میدان کارزار میں استقامت دکھائی ہے اور ان میں سے کچھ مومنین ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے وفابعہد کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی، کیوں کہ خدا کی راہ میں موت کو گلے سے لگانا بھی وفابعہد ہے بلکہ وفابعہد کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ انسان کامل اس عہد کے تحت اپنی جان دیتا ہے، تو اب ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو عہد کو پورا کر چکے اور کچھ ایسے ہیں جو اس بات کے انتظار میں ہیں کہ وفابعہد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوں۔

شہید سعید آیت اللہ سید ابراہیم رئیسی (قدس سرہ) اس آیہ مبارکہ کے مصداق کامل تھے جنھوں نے اپنے پورے ایمان و ایقان کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں اپنے عہد و پیمان پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام ذمہ داریوں کو بنحو احسن ادا کیا، مملکت اسلامی ایران اور وہاں کی ملت کے حق میں وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی راہ میں جام شہادت نوش کر کے اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

خادم الرضا شہید آیت اللہ سید ابراہیم رئیسی کے ہیلی کاپٹر حادثے کی خبر سن کر دنیا بھر کے مومنین ابھی اُن کی سلامتی کی دعائیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک انکی شہادت کی خبر نے پورے عالم اسلام بلکہ بلا تفریق مذہب و ملت انسانیت کا درد رکھنے والے تمام لوگوں کے دلوں کو مجروح کر دیا، اُنکی شہادت پر دنیا ماتم کدہ بنی گئی۔

موت اسکی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

شہید والامقام سید ابراہیم رئیسی کی ولایت مداری اور ان کے جذبہ خدمت، اور سادگی و شرافت نیز حکومتی امور میں ان کی حکمت عملی اور تدبر کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

---

[1] احزاب ٢٣

زیر نظر مضمون میں ان کی مختصر سوانح حیات اور رہبر معظم انقلاب حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی کی نظر میں شہید خدمت کی بعض نمایاں خصوصیات کو بیان کیا جائے گا۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم

شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی ۱۹۶۰ء میں ایران کے شہر مشہد مقدس کے محلے نوغان میں پیدا ہوئے، اُن کے والد ایک دیندار اور با تقویٰ عالم دین تھے شہید آیت اللہ رئیسیؒ صرف پانچ برس کے ہی تھے جب شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔

ابتدائی تعلیم جوادیہ اسکول سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ علمیہ نواب میں دینی تعلیم کو جاری رکھا، وہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۷۵ء میں ۱۵ سال کی عمر میں حوزہ علمیہ قم المقدسہ میں وارد ہوئے، اور اس وقت حوزہ علمیہ کے ممتاز علماء و اساتذہ سے استفادہ کیا جن میں سے بعض نام یہ ہیں: سید حسین بروجردی، شہید مرتضی مطہری، ابوالقاسم خزلی، حسین نوری ھمدانی، علی مشکینی، مرتضی پسندیدہ، اور سید علی حسینی خامنہ ای مد ظلہ العالی، اکاڈمیک تحصیلات میں مطہری یونیورسٹی سے قانون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، ازدواجی زندگی کے لحاظ سے آپ مشہد مقدس کے امام جمعہ اور امام رضا علیہ السلام کے روضہ کے امام جماعت آیت اللہ سید احمد علم الہدیٰ کے داماد تھے۔

انقلابی سرگرمیاں

ایران کے اسلامی انقلاب سے پہلے انقلاب کے لئے مجاہدانہ سرگرمیاں انجام دیں، امام خمینیؒ کی قیادت میں مغربی حمایت یافتہ شاہ ایران کے خلاف مظاہروں میں ہمیشہ شامل رہے۔

آیت اللہ رئیسی اسلامی انقلاب سے پہلے کے سالوں میں انقلاب کے لئے مجاہدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ساواک (بیورو برائے انٹیلی جنس اینڈ سیکیورٹی آف اسٹیٹ) کے ذریعے گرفتار بھی ہوئے۔

نیز وہ بعض طلباء کے ساتھ مل کر اُن علماء کے پاس جایا کرتے تھے جنہیں پہلوی حکومت نے شہر بدر کر دیا تھا۔ ان ہی علما، میں آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای بھی "ایران شہر" میں شہر بدر کئے گئے تھے تو اس وقت شہید رئیسی اُن سے وہاں ملنے جاتے تھے، انقلاب سے پہلے مختلف مظاہرات میں ہمیشہ شامل رہے، فروری ۱۹۷۸ء میں تہران یونیورسٹی میں امام خمینیؒ کی ایران واپسی کو روکنے کے لئے ہوائی اڈوں کی بندش کے خلاف احتجاجی مظاہرے میں حصہ لیا۔

ملک و ملت کی خدمات

امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد، کرج اور تہران کے پراسیکیوٹر کے عہدوں پر فائز ہو کر ملک کی خدمت کے میدان میں قدم رکھا اور مختلف عہدوں پر رہ کر ملک اور عوام کی خدمات انجام دیں، مجلس خبرگان رہبری میں جنوبی خراسان کی عوام کے نمایندے منتخب ہوئے، ایران

کے عدالتی نظام میں متعدد عہدوں پر خدمات انجام دیں، عدلیہ میں چیف جسٹس کے نائب رہے، علماء سے مخصوص عدلیہ کے جج رہے، اور پھر سنہ ۲۰۱۹ سے ۲۰۲۱ء تک ایرانی عدلیہ کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوئے ۲۰۱۶ء سے ۲۰۱۹ء تک تقریبا چار سال تک آستان قدس رضوی مشہد مقدس کے متولی ہونے کا شرف حاصل ہوا ۲۰۲۱ء میں ملک میں عام صدارتی انتخابات میں کامیابی کے بعد صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۲۰۲۴ شہادت تک جمہوری اسلامی ایران کے رہے۔

نمایاں سیاسی خدمات

مارچ ۲۰۲۳ میں ایران اور سعودی عرب کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط کئے جس کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات بحال ہوئے، یمن کے مظلوم مسلمانوں پر آل سعود کے حملوں پر لگام لگائی، اور انہیں بند کروایا۔

آستان قدس رضوی کی تولیت

شہید کی زندگی میں سب سے بڑا اور عظیم شرف جسے رہبر معظم انقلاب اسلامی سید علی حسینی خامنہ ای مدظلہ العالی، نے شہید خدمت کی شہادت پر جاری اپنے پیغام میں بھی ذکر کیا ہے وہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضے کی خادمی ہے ۲۰۱۴ء میں آستان قدس رضوی کے متولی عباس واعظ طبسی کی وفات کے بعد رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے حکم سے سید ابراہیم رئیسی حرم امام رضا علیہ السلام کے متولی مقرر ہوئے اور ۲۰۱۹ء تک اس عہدے پر رہ کر آستان قدس رضوی میں زائرین کی سہولیت کے لئے نمایاں قدم اٹھائے، "شہر زائر" کے نام سے روزانہ ۳۰۰۰ زائرین کی رہائش کے لئے مسافر خانوں کی تعمیر کروائی۔ اس کے علاوہ مشہد الرضاؑ کی زیارت پر پہلی بار جانے والے ضرورتمند افراد کو مفت سہولیات فراہم کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔

تدریس اور علمی آثار

شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی اپنی سیاسی اور خدماتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمی میدان میں بھی پوری طرح سے سرگرم رہے اور اپنے تالیف و تدریس کے سلسلے کو جاری رکھا، آپ آستان قدس رضوی کی تولیت کے دوران درس خارج فقہ کے اُستاد کے طور پر تدریس کرتے رہے۔ اِسکے علاوہ حوزہ علمیہ تہران اور مختلف یونیورسٹیوں جیسے امام صادقؑ یونیورسٹی اور شہید بہشتی یونیورسٹی وغیرہ میں بھی آیت اللہ رئیسی فقہ کے اعلیٰ دروس کے استاد کے طور پر تدریس کرتے تھے۔

درس خارج کے دروس پر مشتمل کتاب قواعد فقہ (۳ جلدوں میں)، کتاب "ارث بے وارث"، کتاب "تعارض اصل و ظاہر در فقہ" اور کتاب "قانون"، نیز اقتصاد، عدالت اجتماعی، طرز زندگی جیسے مختلف موضوعات پر اُن کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

فلسطین اور مزاحمتی محاذ کی حمایت

شہید سید ابراہیم رئیسی نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۷۸ ویں اجلاس میں قرآن کریم ہاتھ میں اٹھا کر عالمی پیمانے پر قرآن کا دفاع کیا، آپ مزاحمتی محاذ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی صدارت کے آغاز میں شہید رئیسی نے اپنی حکومت کی کابینہ کے متعدد ارکان کے ساتھ شام کا دورہ کیا اور دمشق میں مختلف فلسطینی تحریکوں اور حزب اللہ لبنان کے سربراہوں سے ملاقات کی۔

غزہ میں ۷ اکتوبر کو شروع ہونے والی جنگ کی وجہ سے خطے میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی، مقاومتی محاذ اور بالخصوص غزہ میں اسرائیل کے مظالم کافی عروج پر پہنچ گئے تھے، اسوقت اپریل ۲۰۲۴ء میں ایران نے اسرائیل پر براہ راست سیکڑوں میزائل اور راکٹ فائر کر کے اسرائیل کے بڑھتے ظلم اور غرور کو خاک کر دیا۔

شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی رہبر معظم انقلاب اسلامی امام خامنہ ای مدظلہ العالی کی نظر میں

خادم الرضا علیہ السلام

رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای مدظلہ العالی نے شہید خدمت آیت اللہ رئیسی اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت پر جاری کردہ پیغام میں شہید کے لئے جن القاب کا ذکر کیا اُن میں امام رضاؑ کی خادمی کو نمایاں الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: خادم الرضا علیہ السلام، حجۃ الاسلام والمسلمین جناب حاج سید ابراہیم رئیسی (رہ) اور اُن کے عزیز ساتھیوں کی شہادت کی افسوسناک خبر موصول ہوئی، یقیناً امام رضاؑ کی خادمی اُن کے لئے سب سے اہم طرہ امتیاز تھی۔

تقویٰ اور حکمت سے آراستہ مخلص خدمت گزار صدر جمہوریہ

اسلامی جمہوریہ ایران کی تیرہویں صدارت کے حکم تنفیذ کی تقریب میں رہبر معظم انقلاب فرماتے ہیں کہ میں خداوند متعال کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے اپنے فضل و کرم سے ایران کو انتخابات کے سیاسی اور سماجی امتحان میں ایک بار پھر سربلند کیا اور عظیم الشان ایرانی قوم نے ایک پیچیدہ اور مشکل حالات میں ملک کے صدارتی انتخابات میں اپنی پرمعنیٰ اور باوقار حاضری سے ملکی معاملات کے نظم و نسق پر عوام کے ووٹ کی حاکمیت کو نمایاں کیا۔ اور خانوادہ علم و سیادت سے تعلق رکھنے والے، عوامی اور گرانقدر شخصیت، تقویٰ اور حکمت سے آراستہ، پاکیزہ اور شفاف ریکارڈ کے مالک، تجربہ کار اور مقبول عالم دین، کو انتخاب کر کے انقلاب اسلامی کے روشن راستے جو کہ انصاف، ترقی، آزادی اور عزت کا راستہ ہے اس پر اپنے عزم راسخ کو ظاہر کر دیا ہے، میں اپنی پیاری عوام کا شکریہ ادا کیا اور اُن کے انتخاب اور ووٹس کو تنفیذ کرتے ہوئے، انتھک، تجربہ کار اور مقبول عالم دین، جناب حجۃ الاسلام سید ابراہیم رئیسی کو اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر کی حیثیت سے منصوب کیا۔

[1]شہید خدمت کی شہادت پر جاری پیغام میں رہبر معظم انقلاب اسلامی نے شہید آیت اللہ رئیسی کی انتظامی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شہید رئیسی کے ساتھیوں میں نظم ونسق اور اخلاص تھا۔

محنتی اور خدمت گزار صدر جمہوریہ

رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای نے امام خمینیؒ کی برسی کی تقریب میں اپنے بیانات کے ایک حصے میں شہید خدمت آیت اللہ رئیسی کے ہیلی کاپٹر کریش حادثے کو ملک وملت کے لئے بہت بھاری نقصان قرار دیتے ہوئے، شہید رئیسی کی بعض نمایاں اور ممتاز خصوصیات کاذکر کیا آپ نے فرمایا: محنتی صدر آیت اللہ رئیسی اور اُن کے شہید ساتھیوں میں سے ہر ایک قابل قدر شخصیات تھیں، اس بیان میں رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ رئیسی کو ایک محنتی اور زحمتکش صدر کی حیثیت سے توصیف کیا، اور اُن کی شہادت کے سانحے کو ملک کے لئے بہت بھاری نقصان قرار دیا، اور فرمایا کہ اس بات کا سب نے اعتراف کیا کہ شہید رئیسی، کام کرنے والے، اہل عمل، خدمت گزار، پاکیزہ اور دیانت دار انسان تھے، ملک وعوام کی خدمت کے لئے دن رات نہیں جانتے تھے.

انتھک اور بے وقفہ خدمت گزار صدر جمہوریہ

رہبر معظم انقلاب اسلامی اپنے تعزیتی پیغام میں فرماتے ہیں، اس عظیم اور فداکار انسان کی سرکاری فرائض کا پورا عرصہ چاہے وہ ان کے مختصر عہدہ صدارت کا ہو یا اس سے پہلے کا، پوری طرح عوام، ملک اور اسلام کی مسلسل خدمت میں گزرا، عزیز رئیسی، انتھک شخصیت کے مالک تھے، وہ تھکنا جانتے ہی نہیں تھے ملک اور قوم کی خدمت کی راہ میں اُن کے نزدیک تھکاوٹ کوئی معنیٰ نہیں رکھتی تھی، اس المناک واقعہ میں ایرانی قوم ایک مخلص اور قابل قدر خادم سے محروم ہو گئی۔ اُن کے نزدیک لوگوں کی فلاح و بہبود جو کہ خدا کی خوشنودی پر دلالت کرتی ہے، ہر چیز پر مقدم تھی، چنانچہ بعض بدخواہوں کی ناشکری اور طعنوں سے آزردہ دلی، مسائل کے حل اور ان میں بہتری کے لئے اُن کی دن رات کی مسلسل کوششوں میں حائل نہ ہو سکی۔

شہید رئیسی اور عوام کا احترام

آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی نے لوگوں کی عزت اور احترام اور انہیں ایک پلیٹ فارم فراہم کرنے اور نوجوانوں کی عزت اور اعتماد کو مرحوم صدر کی ممتاز خصوصیات میں سے قرار دیا اور فرمایا کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ بھی عزت کا سلوک کرتے تھے جنھوں نے اُن کی توہین کی تھی۔

[1]- اسلامی جمہوریہ ایران کی تیرہویں صدارت کا حکم تنفیذ،۱۴۰۰/۱۲/۰۵۔

شہید رئیسیؒ ملک و قوم کے لئے اللہ کی نعمت

رہبر انقلاب اسلامی نے ہیلی کاپٹر حادثے کی خبر سن کر پاسداروں سے خطاب کے دوران سید ابراہیم رئیسی کو ملک و قوم کے لئے اللہ کی نعمت اور انتہائی محترم شخصیت قرار دیا۔

شہید رئیسی تواضع اور انکساری کے پیکر

صدر اور اُن کی کابینہ کے ساتھ منعقدہ اجلاس میں رہبر معظم انقلاب نے فرمایا کہ آقائے رئیسی کی حکومت کے عہدہ داران کا لوگوں کے درمیان حاضری، اور عوام کے ساتھ بلا تکلف اور انکسار کے ساتھ ملنا انتہائی قابل قدر عمل ہے۔

عمومی سطح پر محبوبیت و مقبولیت کے حامل صدر جمہوریہ

رہبر انقلاب اسلامی ایران نے شہید سید ابراہیم رئیسی کی شہادت پر جاری کردہ اپنے پیغام میں تحریر فرمایا: بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ عالم مجاہد، عوام دوست صدر، شائستہ و محنت کش، خادم الرضا علیہ السلام جناب حجۃ الاسلام و المسلمین آقائے سید ابراہیم رئیسی اور ان کے محترم ساتھیوں (رضوان اللہ علیہم) کی شہادت جیسی موت کی تلخ خبر موصول ہوئی، اس فقرے میں رہبر معظم انقلاب اسلامی شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی جس خصوصیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اُن کی عوام کے درمیان محبوبیت اور مقبولیت تھی، جسے لوگوں نے اُن کی زندگی سے زیادہ شہادت کے بعد ملاحظہ کیا، اسی پیغام میں رہبر انقلاب فرماتے ہیں: اس تلخ حادثے میں ایرانی قوم اپنے ایک مخلص، گرانقدر اور دل سے پیار کرنے والے خدمتگزار سے محروم ہوگئی ہے، اُن کے لئے عوام کی بھلائی اور اُن کی رضامندی جو خدا کی مرضی کی غماز ہے، ہر چیز سے زیادہ ترجیح رکھتی تھی۔

شہید رئیسی انقلاب کے نعروں کے مظہر

۱۴۰۳/۰۲/۰۳ کو رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مد ظلہ العالی شہید ڈاکٹر رئیسی کے گھر پر حاضر ہوئے اور اُن کے اہل خانہ سے ملاقات کی اور اُن کے اہل خانہ کو پرسہ دیتے ہوئے مرحوم صدر کو انقلاب کے نعروں کا مظہر قرار دیا۔ اور اسلامی انقلاب اور اس سے عوام کی عقیدت کو دنیا کے لئے ایک مثبت پیغام بتایا، اور جناب رئیسی کے فقدان کو ملک کے لئے ایک بھاری اور ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ ایک دوسرے مقام پر رہبر معظم انقلاب اسلامی شہید رئیسی اور ان کی حکومت کو اسلام اور انقلاب کے نعروں کو اجاگر کرنے والوں کی حیثیت سے معرفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انقلاب کے نعروں کی نمایاں اہمیت، اسلام کے نعرے، جیسے انصاف طلبی، تجملات سے بچنا، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت، استکبار جہانی مخالفت، جو انقلاب کے بنیادی نعرے ہیں؛ یہ لوگوں کی زبانوں پر نمایاں اور واضح ہوئے ہیں، اور یہ بہت اچھی بات ہے[1]۔

---

[1]. صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان ملاقات میں بیانات،۱۴۰۱/۰۸/۰۶

انقلاب کے بنیادی اقدار کی پاسداری

امام خامنہ ای فرماتے ہیں، معزز صدر جناب رئیسی کی انتخابی مہم و تبلیغات، انقلاب کی بنیادی اقدار پر منحصر تھیں، انھوں نے انصاف کی اقدار، اور بدعنوانیوں کے خلاف جنگ، جیسی چیزوں پر بھروسہ کیا۔ اور یہی صحیح راستہ ہے... وہ راستہ جو ملک، اور قوم کو اس کے بنیادی حقوق تک پہنچاتا ہے، ملک کو اس کی بنیادی حیثیت پر برقرار رکھتا ہے، اور یہی انقلاب کی بنیادی اقدار کی پاسداری ہے[1]۔

کارآمد ذمہ دار، باکیفیت اور سنجیدہ مدیر

رئیسی کی شہادت کے موقع پر رہبر معظم انقلاب کی خدمت میں آئے ہوئے عراق کے وزیر اعظم سے ملاقات کے وقت رہبر انقلاب نے فرمایا: ہم ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گئے۔ وہ بہترین بھائی۔ اور ملک کے ایک کارآمد، باکیفیت، اور متعد ذمہ دار، ملنسار اور سنجیدہ عہدیدار تھے[2]۔

عوامی حکمراں

اسلامی جمہوریہ ایران کی تیرہویں میعاد کی تنثیت کی تقریب میں رہبر معظم انقلاب اسلامی نے آیت اللہ شہید رئیسی کی میں موجودگی اور ان کا عوام کے ساتھ تنگاتنگ رابطہ آپ فرماتے ہیں: جناب رئیسی کے نعروں میں حکومت کا عنوان عوامی ہونا، اور لوگوں کی باتوں کا سننا، لوگوں میں خاص طور پر نوجوانوں میں اعتماد اور امید کی بحالی، و۔۔۔ کافی نمایاں تھی اور یہ بہت اہم چیز ہے[3]۔ رہبر معظم انقلاب اسلامی دوسری جگہ فرماتے ہیں: انتظامی محکمے میں حکومت میں بہت سے اچھے کام ہوئے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ عوام کے درمیان موجود رہنا اور عوام کے مسائل کا براہ راست سامنا کرنا، لوگوں کے درمیان جانا، لوگوں کی باتیں سننا، اُن کا جواب دینا، اُن کے مسائل کو اٹھانا، یہ بہت پسندیدہ اور مفید عمل ہے۔ (صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان ملاقات میں بیانات، ۱۴۰۲/۰۸/۰۶)

حکومت کے ذاتی اور حکومتی رویے میں سادگی

حکومت کے ذاتی اور حکومتی رویے میں سادگی اور تجملات میں کمی، خاص طور پر خود صدر محترم جناب رئیسی صاحب، میرے لئے متاثر کن ہے اور ایک اہم اور قابل توجہ عمل ہے... اور یہ عوامی رویہ کافی قابل قدر چیز ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ لوگوں سے اپنائیت اور تواضع کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، اُن کی عیادت کرتے ہیں، اُن کے گھروں میں جاتے ہیں، اُن کے ساتھ بیٹھتے ہیں، یہ بہت بہتر عمل ہے[4]۔

---

[1]. اسلامی جمہوریہ ایران کی تیرہویں میعاد کی تنثیت کی تقریب میں رہبر معظم انقلاب اسلامی کا بیان، ۱۴۰۰/۱۲/۰۵

[2]. عراق کے وزیر اعظم اور رہبر انقلاب کے درمیان ملاقات، ۱۴۰۳/۰۲/۰۳

[3]. اسلامی جمہوریہ ایران کی تیرہویں میعاد کی تنثیت کی تقریب میں رہبر معظم انقلاب اسلامی کا بیان، ۱۴۰۰/۱۲/۰۵

[4]. صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان رہبر معظم انقلاب اسلامی کی ملاقات میں تقریر، ۱۴۰۲/۰۸/۰۶

شہید رئیسیؒ لوگوں میں امید اور اعتماد کو زندہ کرنے والے کامیاب حکمراں

رہبر انقلاب فرماتے ہیں: میری نظر میں تیرہویں حکومت کی توفیقات اور کامیابیاں، واقعی وہ کامیابیاں ہیں جو آپ کو نصیب ہوئی ہیں۔ وہ عملی کاموں سے بڑھکر اور اہم ہے وہ چیز لوگوں میں امید اور اعتماد کو بحال کرنا ہے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ صدر محترم اور مختلف محکموں کے افسران نے لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ حکومت عوام کے بیچ ہے، کام میں مصروف ہے، کوشش کر رہی ہے اور ان کی خدمت کر رہی ہے، اُن کی خدمت کرنا چاہتی ہے؛ اس [کام] نے لوگوں کی امید اور لوگوں کا اعتماد کافی حد تک بحال کیا ہے[1]۔

لوگوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی اور نگرانی کے حامل صدر جمہوریہ

رئیسی صاحب کی حکومت کی ایک اور کامیابی... یہ صوبائی دورے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی شاندار اور اہم کام ہے، یہ بہت ضروری ہے کہ ۱۱ مہینوں میں ملک بھر کے ۳۱ دورے کئے ہیں، محروم، دور دراز مقامات، اور لوگوں کے ساتھ دیانتدارانہ ہمدردی اور لوگوں کے مختلف مسائل کی نگرانی بہت اہم چیز ہے[2]۔

ذمہ دار حکمران

امام خامنہ ای مدظلہ العالی فرماتے ہیں: اس حکومت نے کسی کام کے لئے گندھے خالی کرنے اور بہانہ تراشی سے گریز کیا ہے، اور پوری طرح سے ذمہ دار رہی ہے۔ اس عرصے کے دوران، ہم نے معزز سرکاری افسران سے نہیں سنا جنہوں نے کبھی یہ کہا ہو کہ: "وہ ہمیں کام کرنے نہیں دیتے، یا ہمارے پاس اختیار نہیں ہے، ہم نے یہ آپ سے نہیں سنا۔ ذمہ داری قبول کرنا بہت اچھی چیز ہے۔ وہ کہتے ہے کہ "ہم حاضر ہیں، ہمیں کام کرنا ہے اور ہم کام کر رہے ہیں"؛ یہ ایک بہت اہم اور مثبت نکتہ ہے[3]۔

شہید رئیسی اپنے ولی فقیہ کی خوشنودی کے حامل تھے

مختلف خصوصیات کے حامل شہید آیت اللہ ڈاکٹر سید ابراہیم رئیسی اپنے روشن کارناموں کی بنا پر رہبر انقلاب کی خوشنودی حاصل کر چکے تھے جو ان سے متعلق رہبر انقلاب کے مختلف بیانات سے ظاہر ہے، انہوں نے اپنے ولی فقیہ کی خوشنودی کے ساتھ اپنی مخلصانہ خدمت کو تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا۔ ہم شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی اور اُن کے ساتھ دیگر اعلیٰ عہدیداران کی المناک شہادت کے موقع پر امام زمانہ (عج)، رہبر معظم انقلاب حضرت امام خامنہ ای (مدظلہ)، مراجع عظام، بالخصوص شہدائے عزیز کے اہل خانہ، اور عموم مومنین کرام کی خدمت میں تعزیت وتسلیت پیش کرتے ہیں۔

---

[1]. صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان ملاقات میں بیانات، ۱۴۰۱/۰۸/۰۶

[2]. صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان ملاقات میں بیانات، ۱۴۰۱/۰۸/۰۶

[3]. صدر اور حکومتی وفد کے ارکان کے درمیان ملاقات میں بیانات، ۱۴۰۱/۰۸/۰۶

مدارس علمیہ ہندوستان میں شہدائے خدمت کی مجالسِ ترحیم

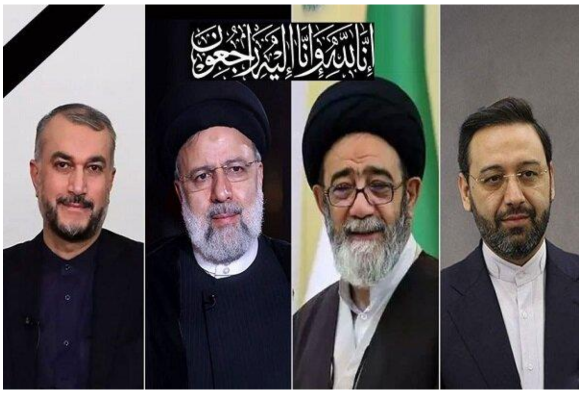

ہمیشہ سے ایران اور ہندوستان کی قوم ایک دوسرے کی ہمدرد رہی ہیں ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک رہی ہیں بالخصوص شیعہ قوم کا اسلامی انقلاب کے بعد ایک گہرا رشتہ قائم ہوگیا ہے کیونکہ کلچر اور فرہنگ کے علاوہ دینی افکار ایک جیسی ہیں لہذا اگر وہاں کوئی تلخ حادثہ رونما ہوتا ہے تو یہاں کے لوگ اس میں برابر کے شریک رہتے ہیں اس کی شاہد شہداء خدمت کی ہندوستان میں مجالس ترحیم ہے

جب ایران کے ہیلی کوپٹر حادثہ میں نو افراد جاں بحق ہوئے جن میں ایران کے صدر آیت اللہ ابراہیم رئیسی، ایرانی وزیر خارجہ شہید حسین امیر عبد اللہیان، تبریز کے امام جمعہ شہید آیت اللہ سید آل ہاشم، ڈاکٹر مالک رحمتی، مہدی موسوی اہم شخصیات اور دیگر افراد موجود تھے ان افراد کی شہادت کی خبر کے بعد ایرانی قوم کے ساتھ ہندوستان کے مومنین نے غم منایا اور جگہ جگہ ان کے ایصال ثواب کی مجالس برپا کی گئی۔ بالخصوص ہندوستان کے دینی مدارس اور اداروں نے شہداء کی یاد میں قرآن خوانی اور مجالس ترحیم کے علاوہ تعزیت نامے بھی ارسال کئے، اسی طرح نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ نے لکھنوء میں شہدا کی یاد میں ایک عظیم پروگرام کیا جس میں مختلف مدارس کے مدیران، اساتید اور طلاب نے شرکت کی جس میں اہم شخصیات نے تقاریر کی جن میں بالخصوص رئیس نمایندگی المصطفیٰ آقای رضاشاکری، مولانا حمید الحسن صاحب کے علاوہ دیگر علماء اور مدیران نے اظہار خیال کیا۔ لکھنؤ کے حسین آباد میں واقع تاریخی دیدہ زیب حسینیہ محمد علی شاہ (چھوٹا امام باڑہ) شہدائے خدمت کی یاد میں غرق نظر آیا جہاں ”سفیران انقلاب“ کے عنوان سے ایک پروگرام، عین الحیات ٹرسٹ، ادارہ علم و دانش، حیدری ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، پرنٹ پوائنٹ، ہدی مشن، الہی گھرانہ، طہٰ فاؤنڈیشن، تنزیل اکیڈمی، ولی العصر اکیڈمی، جامعۃ الزہرا، ادارہ اصلاح، المومل کلچرل فاؤنڈیشن، نبا فاؤنڈیشن، کیئر اسلام، بہجۃ الادب، احیوا امرنا ٹرسٹ، عرش ایسوسی ایٹ، غازی چینل، گوہر ایجنسی، ہادی ٹی وی، ولایت ٹی وی، گراف ایجنسی، مہدیز آرگنائزیشن، اودھ نامہ وغیرہ کی مشترکہ کاوشوں کے ذریعہ منعقد کیا گیا۔ جس میں مختلف علماء اور دانشوروں نے اپنا اپنا اظہار خیال کیا۔ اسی طرح پورے ہندوستان میں ان کی یاد منائی گی۔

الحوزة العلمية عقيلة بنی هاشم
AL - HAUZATUL ILMIA
AQEELA - E - BANI HASHIM (A.S.)
649/63, GIRDHARI LAL MATHUR ROAD, MUSAHABGANJ, LUCKNOW.

اخباری تراشے

معاونت آموزش نمایند گی جامعۃ المصطفیٰ:

آموزش نمایند گی جامعۃ المصطفیٰ ہندوستان کی طرف سے چھٹا کل ہند علمی مسابقہ بتاریخ ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۴۵ مطابق ۲۷/جون ۲۰۲۴ بروز جمعرات صبح ۹:۰۰ بجے پورے ہندوستان کے معروف مدارس میں بنحو احسن مدیران، ناظرین اور اساتید حوزہ ہای علمیہ ہندوستان دامت توفیقاتہم کی مخلصانہ ہمکاری کے نتیجے میں مکمل نظم وضبط اور قوانین کی پاسداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

قابل ذکر ہے: اس علمی مسابقہ میں ۷۹ مدارس کے ۲۳۷۳ طلاب نے شرکت کی۔

جن کی تفصیل اس طرح ہے رتبہ اول میں ۱۲۹۳ رتبہ دوم میں ۷۳۳ رتبہ سوم میں ۳۴۷، کل ۲۳۷۳ طلباء۔

توجہ: جو طالب علم ۸۵ سے زیادہ نمبروں سے پاس ہونگے ہر سطح میں ان کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ تین طلاب کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

معاونت پژوہش:

۴۰ مدارس کو درسی کتابیں ارسال کی گئی اور اس کے علاوہ گذشتہ ماہ میں تین کتابوں کا ترجمہ شائع ہوا

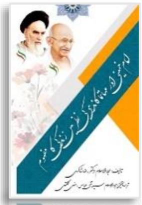

موضوع کتاب: امام خمینیؒ اور مہاتما گاندھی کی نظر میں زندگی کا مفہوم

مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر رضا شاکری

مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین سید تقی عباس رضوی کلکتوی

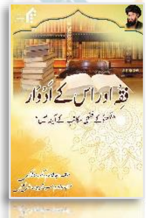

موضوع کتاب: فقہ اور اس کے اَدْوار "لکھنؤ کے فقہی مکاتب کے آینہ میں"

تالیف: حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر رضا شاکری

ترجمہ: حجۃ الاسلام والمسلمین سید تقی عباس رضوی کلکتوی

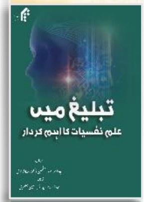

موضوع کتاب: تبلیغ دین میں علم نفسیات کا اہم کردار

مؤلف: حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر رضا شاکری

مترجم: حجۃ الاسلام والمسلمین اطہر حسین جعفری

دستیاب: ایران کلچر ہاؤس (نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ) نئی دہلی

نیز مجلہ "بصائر ۱۲" ۲۴ عناوین پر مشتمل دوماہی مجلہ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور مجلہ تفکر دینی جو انگریزی زبان میں۔

معاونت فرہنگی:

بحمد للہ گزشتہ ماہ مندرجہ ذیل چند اہم امور انجام پائے۔

۱۔ ماہ ذی الحجہ کی معنویت اور برکتوں کے پیش نظر اس ماہ کی فضیلت و اہمیت، اعمال و اذکار اور دعاؤں کا مجموعہ آمادہ کر کے مختلف پیلٹ فارم کے وسیلہ نشر کیا گیا تاکہ اہل ذوق بخوبی استفادہ کر سکیں۔

۲: حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ جو الٰہی معارف کا معدن و مخزن ہے، طلباء اور طالبات کے درمیان اس کا دعا کے مقابلہ رکھا گیا، الحمد للہ ۱۰۰ کے قریب طلباء اور طالبات نے شرکت کی اور ممتازین میں سے تین افراد کو قرعہ کشی کے وسیلہ انعامات سے نوازا گیا۔

۳: دورہ تربیت مبلغین

ماہ محرم کے قریب مبلغین کی تربیت اور ان کی علمی و فکری امداد کی کیلئے ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ ق سے ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ ق تک جامعہ امام مھدی (عج) اعظمگڑھ اور جامعہ خدیجہ الکبری جونپور میں طلباء اور طالبات کیلئے ۱۰ روز دورہ (کیمپ) رکھا گیا جس میں سرزمین قم کے بزرگ اساتذہ اور افاضل نیز ہندوستان کی بزرگ شخصیتوں نے تدریسی فرائض انجام دیئے، دورہ کے آخر میں امتحانات میں اچھے نمبر لانے والوں اور اچھی ڈائری والوں لکھنے کی انعامات کے وسیلہ حوصلہ افزائی کی گئی۔

شعبہ فارغ التحصیلان

نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ ہندوستان کے شعبہ فارغ التحصیلان کی جانب سے فارغ التحصیل طلاب کے مدارک کی تنظیم و ترتیب کی پیروی عمل میں لائی جارہی ہے، اور اس کے لئے جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ سے وہ فارغ التحصیل طلاب جن کے مدارک کسی بناء پر یا دروس کی نواقصی کی وجہ سے صادر نہیں ہوسکے ہیں وہ طلاب نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ دہلی کے ذریعہ اپنے دروس کی تکمیل کر کے رسمی مدرک حاصل کر سکتے ہیں جسکی تفصیل اعلامیہ میں درج ہے، طلاب کرام سے گزارش ہے کہ اپنے مدرک کے صدور کے لئے نمایندگی سے رابطہ فرمائیں

رابطے کے لئے: EMAIL: miumanzoorjafri@gmail.com

۰۹۸۱۱۲۷۵۷۲۱/۰۷۲۹۰۸۴٤۲۲۲